منشور

قیمت ۲۵ پیسے ⁂ اکتوبر ۱۹۶۹ء

۲۸ اکتوبر ۶۸ء سے ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کی درمیانی مد

ناقابلِ فراموش عوامی مُطالبات و نعر

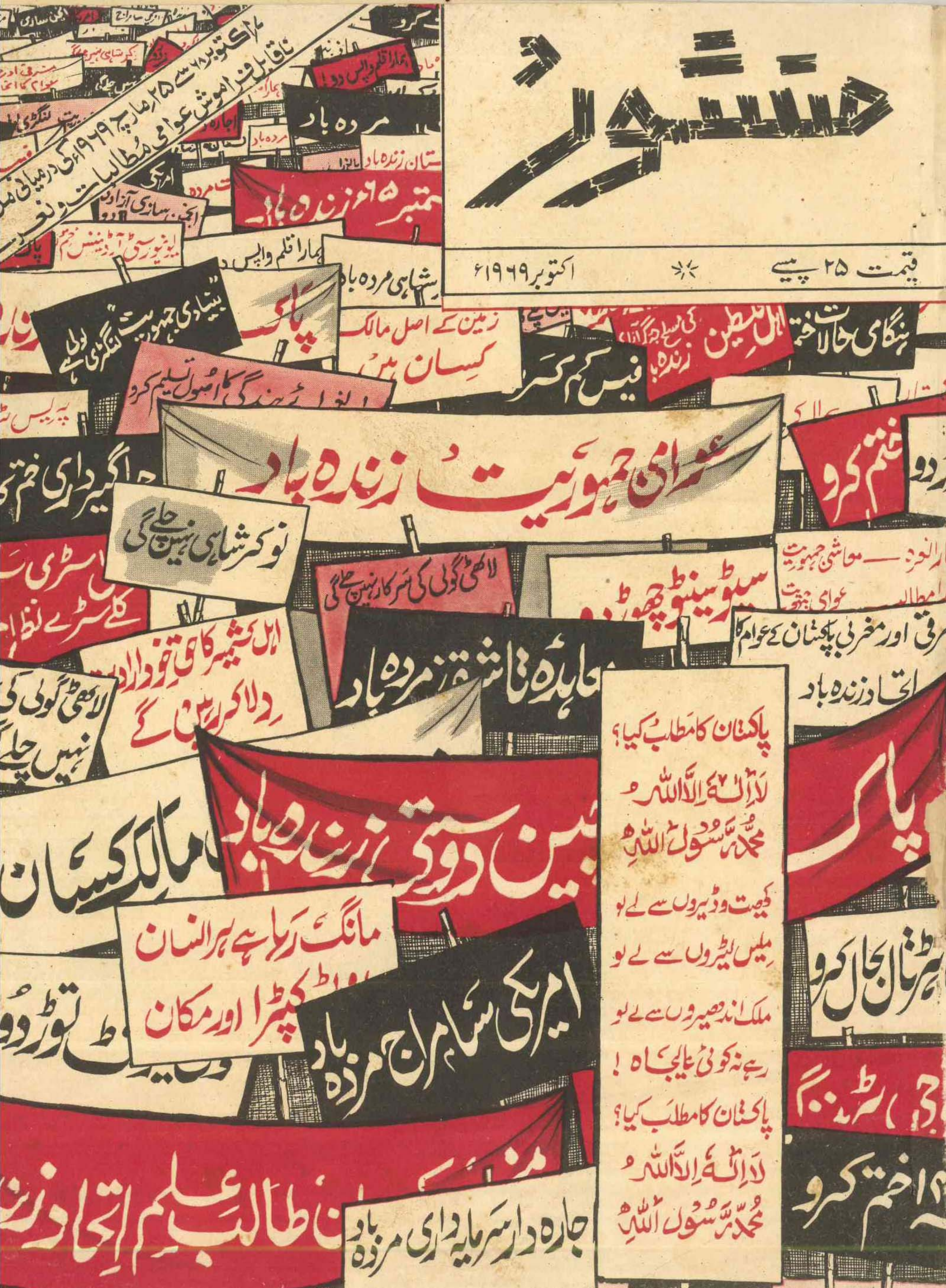
مردہ باد
ہمارا قلم واپس دو!
ستمبر ۶۵ء زندہ باد
ہمارا قلم واپس د
شاہی مردہ باد
یونیورسٹی آرڈیننس ختم
بنیادی جمہوریت لنگڑی لولی ہے
زمین کے اصل مالک کسان ہیں
اہلِ فلسطین زندہ باد
ہنگامی حالات ختم
فیس کم کرو
الفا اُڑھندگی کا اصول تسلیم کرو
عوامی جمہوریت زندہ باد
ختم کرو
جاگیرداری ختم
نوکرشاہی نہیں چلے گی
لاٹھی گولی کی سرکار نہیں چلے گی
سیٹو سینٹو چھوڑ دو
معاشی جمہوریت
مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام کا اتحاد زندہ باد
معاہدہ تاشقند مردہ باد
اہلِ کشمیر کا حقِ خود ارادیت دلا کر رہیں گے
لاٹھی گولی کی نہیں چلے گی
پاکستان کا مطلب کیا؟
لا الٰہ الا اللہ
محمد رسول اللہ
کھیت وڈیروں سے لے لو
ملیں لٹیروں سے لے لو
ملک اندھیروں سے لے لو
رہے نہ کوئی عالیجاہ!
پاک چین دوستی زندہ باد
مالک کسان
مانگ رہا ہے ہر انسان روٹی کپڑا اور مکان
امریکی سامراج مردہ باد
ہڑتال بحال کرو
ختم کرو
طالب علم اتحاد زندہ
جاگیرداری سرمایہ داری مردہ باد

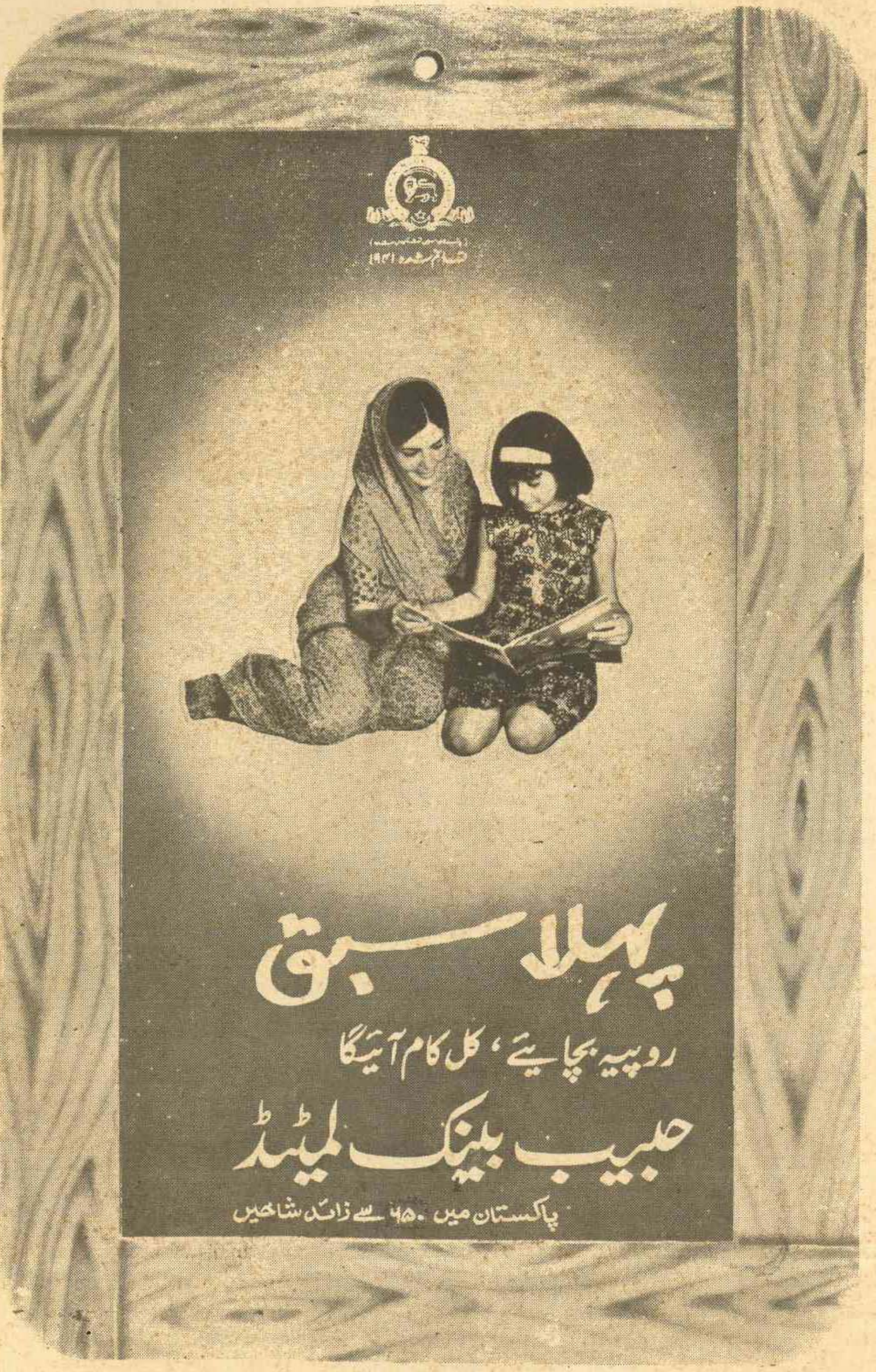

قائم شدہ ۱۹۴۱

پہلا سبق

روپیہ بچایئے، کل کام آئیگا

حبیب بینک لمیٹڈ

پاکستان میں ۶۵۰ سے زائد شاخیں

منشور

حیات و کائنات کا ترجمان

اداریہ

عظیم عوامی اُبھار زندہ باد ــــــــــ ۴

مستقل عنوان

صحرا بہ صحرا کو بہ کو ــــــــ مارکوپولو ۱۲

نظمیں غزلیں

خالد علیگ ــــــــــ ۲۶
قمر ہاشمی ــــــــــ ۲۹
حبیب جالب ــــــــــ ۳۰
حزیں لدھیانوی ــــــــــ ۳۵

افسانے

بے برگ و گیاہ ـ اگنات ـ مین ـ ۲۴
آخری تصویر ـ سید نجم الحسن ــــ ۳۶

مضامین

دو آئینے امریکی / روسی ــــــــ ۱۹
پاک چین دوستی زندہ باد ــــ نورخان کا دورۂ چین ۲۲
چاچا ہو زندہ ہیں۔ نعیم آروی ۲۷
نئی تعلیمی پالیسی پر تجاویز و سفارشات رشید حسن خان ۳۱
ریاستی جاگیرداری کے آخری ستون بھی ڈھے گئے محمد الیاس ۳۹
پریس ورکرز کے حالات کار اور شرائط ملازمت انتہائی روح فرسا ہیں ذوالفقار علی ۴۱
لیبر پالیسی کا تنقیدی جائزہ ــــ قومی مزدور محاذ ۴۲

خبرنامہ

مزدور یونینوں کی خبریں ــــــــ ۵۰

لوگ کہتے ہیں

قارئین کے خطوط ــــــــ ۵۸

سرورق

عظیم عوامی اُبھار کے مقبول ترین نعرے ــــ عمل ــــ جلال

قیمت مغربی پاکستان

فی کاپی	۲۵ پیسے
سالانہ	۳ روپے

مشرقی پاکستان

فی کاپی	۳۵ پیسے
سالانہ	۴ روپے

مدیر
سبطِ اختر

منتظم
س۔ م۔ صادق

ناشر:۔ سبط اختر

طابع مشہور پریس کراچی

اکتوبر ۱۹۶۹ء
جلد ۶ شمارہ ۱۰

ائیرویز ایمپلائز یونین، پی، آئی، اے برانچ (رجسٹرڈ) کراچی ائیرپورٹ فون ۴۲۰۱۱/۴۱۹

عظیم عوامی اُبھار زندہ باد

پاکستان کی تاریخ میں ۷ اکتوبر ۱۹۶۸ء ایک تاریخ ساز دن کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب طالب علموں نے ظلم و استحصال کی قوتوں کو للکارا اور جب ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پسے ہوئے دانشور، وکیل، صحافی، اساتذہ اور معاشی طور پر لٹے ہوئے مزدور، کسان، ان کی سیاسی جماعتیں اور تمام محب وطن اور عوام دوست گروہ اور افراد جاگیرداروں، بڑے سرمایہ داروں اور نوکر شاہی اور امریکی سامراج کے گماشتوں کے آمرانہ معاشی، سیاسی اور ثقافتی نظام کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ جب تمام محب وطن اور عوام دوست طبقوں، سیاسی جماعتوں، گروہوں اور افراد نے مل کر آمریت، نوکر شاہی، جاگیرداری اور سرمایہ داری اور سامراجیت کے مستحکم قلعے پر بھرپور حملے کر کے اس کی بنیادیں ہلا دی تھیں، جب عوامی تحریک نے جاگیرداروں، بڑے سرمایہ داروں، نوکر شاہی کے دلالوں اور سامراج اور اس کے گماشتوں کے چہروں پر پڑے ہوئے ہر نقاب کو نوچ کر پھینک دیا تھا اور ان کے مکروہ چہرے عوام کے سامنے آ گئے تھے —— اس عظیم عوامی اُبھار اور سرفروشانہ جدوجہد کو منتشر کرنے کے بعد سودے بازی کی بھینٹ چڑھانے کی عوام دشمنوں اور سامراجی گماشتوں کی، ہر سازش کا عوام نے جس ثابت قدمی اور بہادری سے مقابلہ کیا وہ پاکستان کے عظیم عوام کے اعلیٰ طبقاتی شعور، ناقابل تسخیر انقلابی عزم اور سامراج دشمنی کا واضح اظہار تھا —— یہ طبقاتی شعور، یہ انقلابی عزم عوام دشمنوں اور سامراجی گماشتوں کے سر پر بھوت بن کر منڈلا رہا تھا اور آج بھی منڈلا رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ عوام دشمنوں اور سامراجی گماشتوں نے کبھی اس عظیم عوامی اُبھار اور ان کی سرفروشانہ جدوجہد کو "انتشار پسندی" کے نام سے پکارا، کبھی اسے صوبائی تعصبات سے زہر آلود کرنے کی سازش کی اور کبھی اُسے "تشدد پسندی" کہا۔ عوام دشمن اور سامراجی گماشتوں کا یہ گروہ عوام کو گمراہ کرنے کے لئے اس وقت بھی عظیم عوامی اُبھار اور ان کی سرفروشانہ جدوجہد کو غلط رنگ میں پیش کرتا تھا اور آج بھی اسے عوامی جمہوریت کی صحیح راہ سے ہٹانے کے لئے اس کی گمراہ کن تشریحیں کر رہا ہے۔ اس لئے اس تحریک کے محرکات اور پس منظر کا جائزہ لینا اس کی خامیوں کی نشاندہی کرنا، تحریک کے تمام مثبت پہلوؤں کو اجاگر کرنا، اور اس کی روشنی میں عوامی جمہوریت کی تابناک منزل کا تعین کرنا ہر محب وطن پاکستانی کا فرض ہے اور اس عظیم فریضے سے غفلت برتنا پاکستانی عوام کے بنیادی مفادات سے غداری کے برابر ہوگا۔

①

عوامی جمہوریہ چین کے انقلابی اثرات کو روکنے اور اِسے نرغے میں لینے کے لئے امریکی سامراج اور روسی ترمیم پسندوں کی یہ حکمت عملی بن چکی ہے کہ برصغیر ہند و پاک کو ایک چین دشمن کنفیڈریشن میں تبدیل کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اِس مقصد کے حصول میں دونوں ممالک کے درمیان منڈی کے مقابلے، اہل کشمیر کے قومی حق خود اختیاری اور نہری پانی کے استعمال کے متعلق ناقابل حل مسائل رکاوٹ بن گئے تو مذکورہ بالا طاقتوں نے تشدد کے ذریعے اپنے مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کی اور روسی اور امریکی اسلحہ سے لیس بھارت کے ذریعے ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی بین الاقوامی سرحدوں پر جنگ تھوپ دی گئی۔ بھارتی توسیع پسندوں کی عملاً ممکن ترین پشت پناہی کر کے مذکورہ بڑی طاقتیں دراصل یہی چاہتی تھیں کہ پاکستان کو بھارت کے ساتھ کوئی نہ کوئی دبتا ہوا سمجھوتہ کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ لیکن ہوا یہ کہ قومی آزادی کے تحفظ کی خاطر عوام کے بے پناہ جوش و جذبے، پاکستانی افواج کی مثالی جرأت و مہارت جنگ اور عوامی چین کے مؤثر و بروقت انتباہ کی وجہ سے ترمیم پسندوں اور سامراجیوں کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ اور انھیں منہ کی کھانی پڑی۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی اس جنگ نے پہلی مرتبہ پاکستانی عوام کو حب الوطنی کا عملی درس دیا۔ اور ان کے سامنے روس اور امریکہ کے منافقانہ عزائم کی اصلیت پیش کر دی —— ساتھ ہی ساتھ اُنھیں دوست اور دشمن کو پہچاننے کا شعور بخشا۔ اس جنگ کے بعد چین اور پاکستان کے عوام کے درمیان ریاستی اور سطحی تعلقات کے علاوہ براہِ راست عملی اور حقیقی دوستی کے رشتے بھی استوار ہو گئے۔ پاکستانی عوام نے یہ اچھی طرح محسوس کر لیا کہ سیٹو، سنٹو پاک امریکی فوجی معاہدہ کامن ویلتھ اور اقوام متحدہ وغیرہ سب کے سب ڈھول کے پول ہیں۔ اور روسی ترمیم پسندی بھی عوام دشمن کردار کی وجہ سے اپنا بھرم کھو بیٹھی ہے۔

جنگ کے شروع ہوتے ہی ایوب ٹولی نے ملک بھر میں ہنگامی حالات کا اعلان کر کے ڈی۔ پی۔ آر نافذ کر دیا۔ اور لنگڑی لولی جمہوریت کا گلا بھی گھونٹ دیا۔ اور بھارتی توسیع پسندوں کے جارحانہ حملے کے خلاف عوام کو وسیع پیمانے پر عملی طور پر منظم، مجتمع اور مسلح کرنے کے بجائے ایوب ٹولی نے تمام قوم پرستانہ جذبات کو سول ڈیفنس وار ریلیف فنڈ اور اوہام پرستی کے کھوکھلے اور بودے منصوبوں میں استعمال کر کے سرد کر دیا۔ مگر اِن تمام حرکات نے خود اس کے بلند بانگ دعوؤں کی قلعی کھول کر رکھ دی۔

②

پاکستانی عوام کے اندر چین دوستی کے صحت مند جذبات کے فروغ سے ملکی حکمرانوں کو زبردست فکر لاحق ہو گئی تھی۔ چنانچہ انھوں نے امریکہ اور روس کے سیاسی اثر کو گرنے اور چین کے سیاسی اثر کو بڑھنے سے روکنے کے لئے روس اور امریکہ کے سیاسی گٹھ جوڑ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ یعنی "معاہدۂ تاشقند" پر دستخط کر دیئے۔ جنگ بندی اور امریکی سامراج اور روسی سوشل سامراج کی اطاعت پسندی کے آئینہ دار اس معاہدہ کے غدارانہ کردار اور اصلیت کو چھپانے اور عوام کے سامراج دشمن غیظ و غضب سے امریکہ کو بچانے کے لئے اوّلین اشتراکی ملک۔ روس کے ایک شہر تاشقند کا انتخاب کر کے اس کے تقدس اور نیکنامی کو استعمال کیا گیا۔ ایوب ٹولی بہت اچھی طرح سے جانتی تھی کہ اگر کسی سامراجی یا سامراجی پٹھو ملک میں بیٹھ کر یہ معاہدہ کیا گیا تو یہ یقینی امر ہے کہ ملک کے اندر اُٹھنے والے سامراج دشمن

شعلوں کی آگ میں سامراجی اور اُن کے حواریوں کے مفادات فوری طور پر جل کر راکھ ہو جائیں گے۔

اِس معاہدے کے بعد کوسی گن، جانسن اور ایوب خاں پر عوام کا جو کچھ رہا سہا اعتماد تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ پاکستان کے عوام نے ان بلند و بالا نعرے لگانے والی قوتوں کی اصلیت پہچان لی تھی۔ اس لئے ان سے عوامی نفرت میں لمحہ بہ لمحہ غیر معمولی اور شدید ترین اضافہ ہوتا چلا گیا امریکی سامراج اور روسی سوشل سامراج اور ان کے حلیفوں کے خلاف اِتنی زبردست اور شدید نفرت اس سے پہلے کبھی نہ اُبھری تھی خصوصاً "سابق پنجاب" ۶۵ء کی قومی جنگ کا میدان بنایا گیا تھا۔ اِس لئے یہاں امریکہ اور روس نواز بے شرم ایوب ٹولی کے خلاف نفرت اپنے عروج پر تھی۔ اور اِس امر کے واضح آثار نظر آ رہے تھے۔ کہ "اہل پنجاب خصوصاً اور دیگر صوبوں کے عوام عموماً" اس ٹولی کو برداشت نہیں کریں گے۔

(۳)

ملکی حکمرانوں نے جنگ کے سلسلے میں اپنی عدم مقبولیت، علاوہ ازیں امریکہ اور روس کے منافقانہ رویّے کے سلسلے میں عوامی ردعمل کو روکنے کے لئے غیر ضروری طور پر ہنگامی حالات برقرار رکھے اور پاکستان کے دفاع کا آرڈر لاگو کر کے عوام کی رہی سہی شہری آزادیاں بھی ختم کر ڈالیں۔ یونیورسٹی اور پریس آرڈی نینسوں نے طالب علموں اور صحافیوں کے گلے گھونٹ دیئے۔ پھر معاہدۂ تاشقند کے بعد عوامی غیظ و غضب سے بچنے کے لئے ظلم و تشدّد کا آغاز کر دیا گیا۔ دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ایک معمول بن گیا۔ لوگ عام طور پر کچھ کہنے سننے کو بھی ترس گئے۔ عوام سے خائف آمر ایوب خاں کی یہ ساری کارستانی خود اِس کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوئی۔ صدارتی کابینہ سے وزیر خارجہ بھٹّو کی بیدخلی نے ایّوب خاں کے متعلق غداری کے عوامی شکوک و شبہات کو مزید تقویت بخشی دریں اثنا حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ مزدوروں سے اجتماعی سودے بازی اور ہڑتال جیسے بنیادی حقوق چھین لئے جانے کی وجہ سے سرمایہ داروں کی منافع خوری اور ظلم و زیادتی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ زرعی شعبہ میں بدترین استحصال اور دقیانوسی طریقۂ کاشت کی وجہ سے کسانوں میں مفلسی اور بے چینی اپنی انتہا کو پہنچنے لگی۔ بائیس خاندانوں کے ذریعہ عوام کا معاشی معاشرتی اور سیاسی طور پر کھلا اور ننگا استحصال زیادہ سے زیادہ بے رحم اور وحشیانہ ہوتا چلا گیا۔ بالکل حالیہ اعداد و شمار کے مطابق مشرقی پاکستان میں ایک مزدور خاندان کی ماہانہ آمدنی صرف اٹھتّر روپے ہے جو فی کس سترہ روپے ماہانہ سے بھی کم پڑتی ہے مغربی پاکستان میں صورت حال مقابلتاً اور برائے نام ذرا مختلف ہے۔ یہاں فی کس سترہ اعشاریہ چار روپے ماہانہ کی آمدنی ہو جاتی ہے۔ مفلسی کے ان تلخ اعداد و شمار میں وہ انتہائی غریب ترین لوگ شامل نہیں کئے گئے ہیں جن کی کوئی مقررہ آمدنی اس قابل ہے ہی نہیں کہ وہ کسی طرح سے کسی شمار میں لائی جا سکے اس طرح ۶۵ فیصد عوام ایک روپیہ یومیہ کماتے ہیں جبکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو آٹھ آنے سے بھی کم میں گزارہ کیا کرتے ہیں۔ ۶۳-۶۴ء کے اعداد و شمار کا جب یہ عالم ہے تو ۶۷-۶۸ء اور ۶۸ء کے نصف آخر کا کیا ہوشربا منظر ہو گا؟ اس کا اندازہ لگایا جائے تو عوامی اُبھار کے پس منظر میں کارفرما معاشی اور معاشرتی بے چینیوں کا بخوبی احساس ہو جائیگا۔

(۴)

مغربی پاکستان میں فرسودہ جاگیردارانہ روایات ابھی تک قائم و برقرار ہیں اسی لئے مشرقی پاکستان کے اَمیر کاشتکار کے مقابلے میں یہاں زمیندار کی گرفت بہت ہی زیادہ سخت رہی ہے پھر گزشتہ بیس سالوں میں دیہاتوں کے اندر ترقی پسند طاقتوں کا منظم سیاسی اثر نہ ہونے کی وجہ سے کسان، زمینداروں کے پابند اور سیاسی آمریت کے غلام بنا کر رکھ دیئے گئے ہیں۔ ایوب ٹولی کی بوگس زرعی اصلاحات نے جیسا کہ ان کا مقصد تھا جاگیردارانہ معیشت اور سیاسی تسلّط کے نظام کو ذرہ برابر نہ چھیڑا بلکہ ان کو مزید مستحکم کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۶۲ء کے قومی اسمبلی کے انتخاب میں مغربی پاکستان سے اٹھتّر میں سے اٹھاون اراکین جاگیردار اور زمیندار طبقے سے منتخب ہو کر آئے تھے۔ اسمبلی میں مزدوروں اور کسانوں کا کوئی نمائندہ نہ تھا جاگیرداروں کے علاوہ جو نمائندے تھے وہ بھی تاجروں صنعت کاروں اور اسمگلروں وغیرہ کے نمائندے تھے۔ یہ بات ۶۲ء سے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک مغربی پاکستان جاگیرداروں کی انتہائی لوٹ کھسوٹ کی آماجگاہ بنا رہا ہے مغربی پاکستان میں آباد چھوٹی قومیتیں، سندھی، پٹھان اور بلوچی مغربی پاکستان میں آباد بڑی قومیت یعنی پنجابی جاگیرداروں کے چنگل میں پھنس کر رہ گئیں ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ پنجاب کا کسان بھی اس ظلم و زیادتی میں شریک ہے یا سندھ، سرحد اور بلوچستان کا جاگیردار اِس ظلم و زیادتی میں شریک نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مغربی پاکستان میں آباد تمام قومیتوں کے وڈیروں، خانوں، میروں اور چودھریوں نے مل کر ایک مکروہ گٹھ جوڑ قائم کر رکھا ہے۔ یہی وہ گٹھ جوڑ ہے جس کی بنیاد پر ظالم جاگیردار مغربی پاکستان کے مظلوم کسانوں پر روح فرسا مظالم کرتے رہتے ہیں۔ ون یونٹ کے قیام کے بعد اِس گٹھ جوڑ نے باقاعدہ سیاسی ثقافتی معاشی اور انتظامی شکل اختیار کر لی ہے۔ واضح رہے کہ مغربی پاکستان میں ون یونٹ کا قیام، مشرقی پاکستان کے عوام دشمن نمائندوں سے سودے بازی کے بعد ہی عمل میں آیا تھا۔ مساوی نمائندگی اور سہروردی کی وزارت قانون بعد ازاں وزارتِ عظمٰی نیز مشرقی پاکستان میں حکومت سازی کے بدلے میں یہ طے پایا تھا کہ مغربی پاکستان کے عوام جاگیردارانہ نظام کے جوئے تلے حسب سابق پستے رہیں اور چھوٹی قومیتوں پر وحشیانہ ظلم ہوتا رہے۔ اور بڑی قومیتوں کے کسانوں اور مزدوروں کو بھی اس ظلم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

اسی سودے بازی کی وجہ سے یہ ممکن ہو سکا کہ مغربی پاکستان کے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے گٹھ جوڑ کے نمائندوں کے زیر اثر مشرقی پاکستان کے عوام کا اِس قدر ننگا استحصال ہوا اور وہاں پر ارتکاز زر کا اتنا منظم سدِباب کیا گیا کہ مشرقی پاکستان کے عوام کے ساتھ ہی ساتھ مشرقی پاکستان کے اُبھرتے ہوئے سرمایہ دار کا تضاد، مغربی پاکستان کے سرمایہ دار و جاگیردار گٹھ جوڑ کے خلاف بڑھتا چلا گیا۔ لوٹ کھسوٹ کے اس شدید تضاد کی وجہ سے ہی یہ ممکن ہوا کہ مغربی پاکستان کے لیڈروں نے مشرقی پاکستان کو بھی معاشی، سیاسی اور انتظامی معیشت سے فی الحقیقت ایک نوآبادی میں تبدیل کر کے رکھ دیا جس کا انتہائی شدید ردعمل ہو کر رہا۔

(۵)

پاکستان کی برسر اقتدار ٹولی بڑے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے گٹھ جوڑ پر مشتمل تھی۔ یہ ٹولی نوکر شاہی کی مدد سے اس رجعت پرست ٹولی کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہو گئی تھی جس کو ۵۸ء کے مارشل لا کے ذریعہ محروم اقتدار کیا گیا تھا۔ ۵۸ء سے پہلے اور ۵۸ء کے بعد حکمرانی کرنے والی یہ دونوں کی دونوں ٹولیاں اپنے طبقاتی کردار کے لحاظ سے رجعت پرست تھیں۔ ۵۸ء سے پہلے والی برسر اقتدار ٹولی میں ۵۴ء تک جاگیرداروں کا واضح غلبہ تھا اور ۵۴ء سے لے کر ۵۸ء تک برطانوی سامراج اور جاگیرداروں کی پروردہ نوکر شاہی کا غالب اثر ہو گیا تھا۔ حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نوکر شاہی نے آہستہ آہستہ گماشتہ سرمایہ داروں کا روپ دھارنا شروع کر دیا۔ اور اپنے

مفادات کے تحت امریکی سامراج سے وفاداری کا دم بھرنے لگی۔ لیکن مارشل لاء کے بعد برسراقتدار ٹولی میں تیزی کے ساتھ بڑھتے ہوئے بڑے سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کے نمائندوں کا بھی عمل دخل شروع ہو گیا تھا اور ان سب کا جاگیرداروں سے کھلا گٹھ جوڑ تھا۔ مارشل لاء کے بعد برسراقتدار ٹولی کی مذکورہ ہیئت ترکیبی میں داخلی اور خارجی حالات کے تحت وقتاً فوقتاً تھوڑی بہت تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن طبقاتی کردار میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ اور یہ ٹولی بھی اپنی سابقہ ٹولی کی طرح بنیادی طور پر امریکی سامراج کی ہی حلیف تھی۔ ہاں آئی۔سی۔بی۔ایم کی ایجاد کے بعد جب امریکہ کی زیر نگرانی بننے والی علاقائی فوجی معاہدوں کی زیادہ اہمیت نہ رہی تو کشمیر اور نہری پانی کے مسائل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سامراجی و ترمیم پسند بلاکوں سے حتی الامکان سودے بازی کرنے کے مقصد کے تحت ایوب ٹولی نے عوامی چین سے دوستی کرنے کی دوغلی پالیسی ضرور اختیار کر لی تھی۔ معاشی مفادات اور منڈی میں بھارتی مقابلے سے بچاؤ کے لئے بھی اس موقع پرست ٹولی کے لئے چین دوستی کا سہارا لینا ضروری تھی۔

ایوب ٹولی کا یہ دوغلہ پن اس وقت خاص طور پر نمایاں ہو کر سامنے آیا کہ جب اس نے تو پہلے کنفیڈریشن کی تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے آپ کو قائم اور برقرار رکھنے کے لئے امریکہ کے سامراجی عزائم کا صد فی صد شکار بننے سے انکار کر دیا تھا۔ اور بعد میں ستمبر کی قومی جنگ کے زمانے میں جنگ بندی اور معاہدہ تاشقند کی صورت میں صد فی صد اطاعت پسندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ یہ دوغلہ پن اس ٹولی کے طبقاتی مفادات کے عین مطابق تھا۔ مگر اس کی یہ موقع پرستی اسے لے ڈوبی اور وہ اپنے منافقانہ اقدامات کی وجہ سے سب کی نفرت کا نشانہ بن کر رہ گئی۔ لہٰذا ایک ایسی مثالی صورت حال میں کہ ایوب ٹولی یکہ و تنہا رہ گئی تھی امریکی سامراج نے ملک کے اندرونی حالات کا اندازہ ازسرنو لے کر نئی بساط بچھائی۔

مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے حکمرانوں نے عموماً اپنے طور پر اور بعض اوقات مشرقی پاکستان کے بااثر، خود غرض اور رجعت پرست سیاست دانوں کی ملی بھگت سے جو معاشی پالیسی اختیار کئے رکھی اس کی بدولت مشرقی پاکستان مغربی پاکستان کے مقابلے میں بہت ہی زیادہ معاشی ناانصافیوں کا شکار بنایا گیا۔ مغربی صوبے کے جاگیردار، سرمایہ دار اور نوکر شاہی کے ہاتھوں مشرقی پاکستان کے اس استحصال کا اثر صرف مشرقی پاکستان کے عوام پر ہی نہیں بلکہ وہاں کے سرمایہ داروں پر بھی پڑا اور نتیجے کے طور پر جو معاندانہ تضاد ابھر کر آیا اس کو مجیب الرحمٰن نے چھ نکاتی پروگرام پیش کر کے باقاعدہ سیاسی رنگ دے دیا ـــــ لیکن یہ صورت حال ان نئے پرانے رجعت پرستوں کے موقف و مفاد کے قطعی خلاف رہی جن کا مرکز اثر مغربی پاکستان میں تھا جو مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کے ستونوں کی براہ راست نمائندگی کرتے ہیں اور جن کا مقصد مشرقی پاکستان کے بااثر، خود غرض رجعت پرست سیاست دانوں کی مدد سے مشرقی پاکستان کے عوام اور ابھرتے ہوئے سرمایہ داروں کا معاشی، سیاسی اور سماجی استحصال کرنا ہے اس طرح سے رجعت پرست طاقتیں ایک سے زیادہ متحارب اور ناقابل اتحاد حصوں میں بٹ گئیں اور دوسرے مارشل لاء سے پہلے خود محروم اقتدار رجعت پسند طاقتوں نے بھی برسراقتدار آنے کے لئے ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے۔ اور ایوب ٹولی کے خلاف ہمہ گیر نفرت کے تیز و تند بہاؤ سے خصوصی فائدہ اٹھاتے ہوئے مجوزہ انتخاب کی تیاری کرنے کی خاطر پی۔ڈی۔ایم کے نام سے ایک عوام دشمن محاذ بنا لیا اس عوام دشمن متحدہ محاذ میں مشرقی پاکستان کے ابھرتے ہوئے سرمایہ دار طبقے کی زیرِ قیادت متوسط طبقے کی امنگوں کی آئینہ دار جماعت "عوامی لیگ" نے شریک ہونے سے اس لئے انکار کر دیا تھا کہ اس میں مشرقی پاکستان کے ابھرتے ہوئے سرمایہ دار کو حصہ دار ماننے اور بنانے والا سیاسی پروگرام شامل نہیں کیا گیا تھا اس وقت دراصل مذکورہ طاقتیں اس زعم میں تھیں کہ وہ اپنی ہی قیادت میں عوام کو لے کر اور ایوب ٹولی کو گرا کر زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لینگی۔ ایسے وقت میں بھی جبکہ کھلے بندوں دائیں بازوں کی طاقتیں متحد نہیں ہو پا رہی تھیں۔ ترمیم پسند مضحکہ خیز حد تک اپنی اس انتہائی کوشش میں لگے رہے کہ وہ اس انتہائی رجعت پرست متحدہ محاذ میں غیر مشروط طور پر ہی شامل کر لئے جائیں لیکن اس وقت رجعت پرست طاقتیں اپنی کھوکھلی طاقت کے گھمنڈ میں اس حد تک اکڑی ہوئی تھیں کہ انھوں نے اپنے اصولوں کو بھی تیاگ دینے والے ترمیم پسندوں کو پی۔ڈی۔ایم میں شامل ہونے کی اجازت نہ دی۔

⑥

ایسی صورت حال میں جبکہ سارا ملک ایک قید خانہ بن چکا تھا۔ اور انتہائی بے رحمانہ لوٹ کھسوٹ کے نتیجے میں وہ معاشی بحران پیدا ہو چکا تھا جس کے جنگل میں صرف مزدور اور کسان ہی نہیں بلکہ طلباء، کلرک، وکیل، ڈاکٹر، انجنیئر، علماء، دانشور، چھوٹے سرمایہ دار اور خواتین سب ہی پھنسے ہوئے پھڑپھڑا رہے تھے۔ اس بگڑتی ہوئی صورت حال میں مزید شدت ایوب خان کے ساتھ ساتھ اس سڑی بُسی کٹھور اور ظالم نوکر شاہی جس کی نمائندگی فدا حسن، اکرام الحق، اور الطاف گوہر وغیرہ کر رہے تھے نے بھی پیدا کی تھی جس نے نیچے سے لیکر ایوان صدر تک اپنا جال بچھا رکھا تھا۔ عوام کی صدائے بازگشت کو ایوان صدر تک پہنچنے سے روکنے کے لئے، حکمران ٹولی کی گرتی ہوئی ساکھ کو بحال کرنے اور لٹتے ہوئے اقتدار کا تحفظ کرنے کے لئے چار کروڑ روپے کی خطیر رقم خرچ کر کے نوکر شاہی نے جشن دس سالہ کا ڈھونگ رچا کر سمجھ لیا کہ "سب خیریت ہے" اور عوام بھی دنیا زمانے کے نرالے جہاتی پروپیگنڈے کے ذریعہ رام کر لئے جائیں گے اور ان کی آواز صدا بصحرا ہو کر رہ جائے گی۔

⑦

ایوب ٹولی کے دس سالہ جور و استبداد، معاشی لوٹ کھسوٹ، قوم سے منافقانہ سیاست اور جھوٹے دس سالہ جشن کے نتیجے میں پیدا ہونے والے عوام کے شدید ترین نفسیاتی ردعمل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے طلباء نے بروقت اور باقاعدہ منظم شکل دینے کے لئے احتجاجی مہم کا آغاز کیا۔ اور جشن دس سالہ کے ہفتہ تعلیم کے بالمقابل عوامی طاقتوں کا "ہفتہ مطالبات" حکمران ٹولے کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔ کراچی میں جب نیشنل اسٹوڈینس فیڈریشن نے عوامی بے چینی کے بڑھتے ہوئے طوفان کو ایک واضح اور معین سمت عطا کی تو عوامی یلغار کی اس ابتداء سے گھبرا کر ایوب ٹولی، محروم اقتدار رجعت پسندوں، موقع پرستوں اور ترمیم پسندوں سب نے مل جل کر ایک مخالفانہ مہم شروع کر دی۔ لیکن اپنے منافقانہ ہتھکنڈوں میں ناکام ہونے کے بعد ترمیم پسندوں نے تحریک سے لاتعلق رہنے پر عوامی نفرت اور طنز سے بچنے اور جھینپ مٹانے کے لئے "ہفتہ مطالبات" کی تحریک جس نے آگے چل کر عظیم عوامی ابھار کی شکل اختیار کی اور اس میں انتشار پھیلانے کے لئے پھوٹ پرستانہ کارروائیاں شروع کر دیں

لیکن ۷؍اکتوبر کو شروع ہونے والی طلباء کی یہ جدوجہد پلک جھپکتے ہی وکیلوں، اساتذہ، جرنلسٹوں، مزدوروں، محنت کشوں، ملازمین حکومت اور دوسرے گروہوں میں پھیلتی چلی گئی۔ اور اس نے عوام کی عظیم اکثریت کو مثالی انداز میں اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔

۷؍اکتوبر کی طلباء تحریک شروع ہونے سے پہلے سرمایہ دار اور جاگیردار

خواہ وہ محروم اقتدار ہوں یا برسراقتدار دونوں کے دونوں بظاہر بڑے مطمئن نظر آتے تھے لیکن جوں ہی طالب علم تحریک نے عوامی ابھار کی شکل اختیار کرنا شروع کی لیڈروں کے دونوں گروہوں میں ہلچل مچنا شروع ہوگئی۔ برسراقتدار لیڈرے کیونکہ طاقت کے نشے میں تھے۔ اس لئے جلد ہی آپے سے باہر ہوگئے اور تحریک کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے متشدّدانہ کارروائیوں پر اُتر آئے اس کے برعکس عوام کیونکہ بیس سال سے عموماً اور دس سال سے خصوصاً زہر غم پی پی کر جاگیرداری، سرمایہ داری، سامراجیت اور نوکرشاہی کی مصیبتوں کے پہاڑوں کو اپنے کاندھوں پر اُٹھائے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ گیاہستان میں چنگاری کے بھڑکتے ہی سر ہتھیلی پر لئے میدان عمل میں کود پڑے۔ ذوالفقار علی بھٹو کی تقریروں نے بھی عوام کو آمریت کو للکارنے کا حوصلہ بخشا۔

عوامی اُبھار شروع شروع میں تو دیہاتوں سے الگ ہی رہا لیکن خاص طور مشرقی پاکستان میں پچپن ہزار میل کے ایک ایسے گنجان آباد علاقے میں کہ جہاں پچانوے فیصد آبادی دیہاتوں میں ہی رہتی ہے یہ بات قطعی ناقابل تصور تھی کہ اس اُبھار کے شعلے دیہاتوں میں پہنچیں گے۔ طلباء کی مجلس عمل کا بی۔ ڈی ممبران سے چار مارچ تک مستعفی ہوجانے کا مطالبہ کسانوں کی مجتمع بے چینی کے پھٹ پڑنے کے لئے سنہرا موقع تھا۔ چنانچہ یہ بے چینی ان حرام خور بی۔ ڈی ممبروں بدمعاش افسروں اور دیہاتی غنڈوں کو لوٹنے اور قتل کرنے نیز وزیروں ضمیر فروش سیاست دانوں کے گھروں کو آگ لگانے کی صورت میں ظاہر ہوئی جو گاؤں والوں پر ہونے والے روح فرسا مظالم میں ایوب ٹولی کے آلۂ کار بنے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اجرتوں میں اضافے کے حق میں کی جانے والی ملک گیر طوفانی ہڑتالوں سے پاکستانی سرمایہ داری، جاگیرداری گٹھ جوڑ کے نمک خوار بہت زیادہ پریشان ہوئے۔ کہ جب ایک بار آمریت کے پنجے کو مزدوروں کے گلے سے ہٹا دیا جائے گا تو اِن لیڈروں کو زبردست احتساب و بغاوت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہی وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے برسراقتدار ٹولی کے لئے اِس صورت حال کا مقابلہ کرنا مشکل ہوگیا۔ اور اِس نے اپنے ظالمانہ وجود کو عوامی ہمدردی کے جھوٹے لبادے میں چھپانا شروع کردیا اور کہیں کہیں سے "یہ مطالبہ جائز ہے" "وہ مطالبہ جائز ہے" کی صدائیں آنے لگیں لیکن یہ واضح رہے کہ یہ صدائیں نوکرشاہی کے کارندوں نے اپنے کانوں میں کسی قیمت پر بھی نہ گھسنے دیں۔

۸

اپنے آپ کو ہر قیمت پر برقرار رکھنے کے لئے ایوب ٹولی نے بدترین ظلم و تشدد اور ناعاقبت اندیش پالیسیوں کے ذریعے پورے پاکستان کو ایک پولیس اسٹیٹ میں تبدیل کردیا۔ حکمراں ٹولی اور اس کے حواریوں کو چھوڑ کر تمام طبقات اور حلقوں نے اِس گھٹی گھٹی فضا کے خلاف اپنی صدائے احتجاج بلند کی۔ حکومت وقت نے اتنی مضحکہ خیز اور احمقانہ حرکتیں کیں کہ درسگاہوں میں طلباء کو، مسجدوں میں علماء کو، گھروں میں بچوں اور عورتوں کو بھی اپنی فرعونیت کا نشانہ بنایا۔ ہزاروں طالب علموں، مزدوروں، وکیلوں اور سیاسی کارکنوں اور لیڈروں کو پسِ دیوار زنداں نظر بند کردیا گیا۔ لیکن ہر سزا کے بعد شوق گناہ بڑھتا ہی گیا اور عوامی اُبھار روز بروز شدید سے شدید تر ہوتا رہا۔

۹

محروم اقتدار رجعت پرست سیاسی جماعتوں نے پہلے پہل تو غیر متوقع طور پر عوامی تشکل اختیار کرلینے والی اس طالب علم تحریک کو بچوں کا کھیل ہی سمجھا اور چند گھسے پٹے بیانات دیتے، گلوں میں ہار ڈلوائے، بائیں بازو کے معاشی و سیاسی نعروں کو دبانے کے سوا کوئی خصوصی توجہ نہیں دی لیکن جب اُنھیں یہ اندازہ ہونے لگا کہ جدوجہد میں ان کے شریک نہ ہونے کے باوجود عوامی اُبھار کی شدّت میں کوئی فرق نہ پڑے گا تو انھوں نے اس میں شامل ہوکر اس کو سبوتاژ کرنے کی ٹھانی۔ اور اس کے لئے انھوں نے ترمیم پسندوں کو ساتھ ملا لینے پر آمادگی کا اظہار کردیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ترمیم پسند ابتداً اپنے نظریات کی کمزوری اور اس سے پیدا شدہ غلط نتائج کی وجہ سے عوامی سطح پر بالکل ہی کٹ کر تن تنہا رہ گئے تھے ان کی حیثیت رجعت پرست طاقتوں کے طفیلی سیارہ سے زیادہ نہ رہی تھی۔ ۶۴ء کے متحدہ حزب اختلاف میں اپنے اطاعت پسندانہ تنظیمی و سیاسی کردار، ۶۵ء کی قومی جنگ میں عوام دشمن اور بھارت نواز حکمت عملی اور اعلان تاشقند پر روس نواز عمل کی وجہ سے یہ ترمیم پسند اتنے گر چکے تھے کہ ان کو رجعت پرستوں کے زیر سایہ ہی اپنی بقا نظر آئی انھوں نے اب پھر ان سے اتحاد کرکے عوام دشمن سازشیں شروع کردیں واضح رہے کہ طالب علم تحریک میں خلفشار ڈالنے کے لئے بھی اِسلامی جمیعت طلباء کے ساتھ ساتھ انھوں نے ہی سب سے پہلے قدم اٹھایا تھا۔

اِس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں یہاں یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ مشرقی پاکستان میں اِس عوامی اُبھار کے اندر دائیں بازو کی انتہائی عیارانہ اور رجعت پسندانہ سرگرمیوں کے ردِّ عمل کے طور پر بائیں بازو کی قوتوں نے دسمبر ۶۸ء میں گورنر ہاؤس کا محاصرہ کرکے اپنے طور پر اس تحریک کو ایک انقلابی محاذ رنگ دینے کی کوشش کی۔ اس کے بعد ڈھاکہ میں جیالے کسانوں نے اپنا گرم و سُرخ خون دے کر کرفیو توڑ کر رکھ ڈالا لیکن انقلابی و غیر انقلابی کی تفریق کئے بغیر محض متحدہ محاذ بنانے کی خاطر عوام کا ایک نام نہاد وسیع متحدہ بنانے کی ترمیم پسندانہ خواہش کی تکمیل کے لئے بائیں بازو کے عناصر نے اپنی عددی طاقت زیادہ ہونے کے باوجود اپنی قوت پر اعتماد نہ کرتے ہوئے مغربی پاکستان کے وحشی استحصالی طبقوں سے تنگ آئے ہوئے مشرقی پاکستان کے اُبھرتے ہوئے سرمایہ دار طبقے کی نمائندہ جماعت کے رجعت پسند عناصر اور مشرقی پاکستان کے ترمیم پسندوں کے ساتھ تنظیمی اتحاد کرلیا اور ۱۱ نکات پر کھلی طلباء مجلس عمل قائم کرکے دائیں بازو کی موقع پرستی کا ثبوت دیا۔

اِس کے بالکل برخلاف اپنی نفری طاقت کی کمی کے باوجود مغربی پاکستان میں بائیں بازو کے عناصر نے نظریاتی اور تنظیمی طور پر اِس قسم کی کسی موقع پرستی کا مظاہرہ نہیں کیا انھوں نے خود اپنی قوت اور اپنے پروگرام پر بھروسہ کرتے ہوئے تحریک کا آغاز کیا اور عوام کے صحیح ترین حصّوں کو سمیٹتے ہوئے پیش قدمی جاری رکھی دائیں بازو کے بھرپور حملے کے پیش نظر انھوں نے اس بات کی بھی پوری پوری کوشش کی کہ آئندہ سیاسی پروگرام کے تحت تنظیمی طور پر ایک متحدہ محاذ بنا دیا جائے لیکن جہاں تک ایک طرف مشرقی پاکستان کے بائیں بازو کے سیاسی رہنماؤں کی عدم دلچسپی کی وجہ سے یہ فرض انجام دیا جا سکا تو وہاں دوسری طرف موقع پرستوں اور مغربی پاکستان کے جاہ پسند پھوٹ پرستوں کی وجہ سے یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ مغربی پاکستان کے جاہ پسند پھوٹ پرست مذکورہ اتحاد کی راہ میں رکاوٹ بنے تو بنے ہی ساتھ ہی ساتھ عوامی اُبھار کے زمانے میں اپنی بےعملی بزدلی اور قبر جیسی خاموشی سے بھی اُنھوں نے عوامی تحریک کو نقصان پہنچایا۔ ان تمام خامیوں کے باوجود کل پاکستان بنیادوں پر عموماً اور مشرقی پاکستان کی بنیاد پر خصوصاً جب بائیں بازو کی انقلابی قوتوں نے زور پکڑا اور مزدوروں، طلباء اور کسانوں میں ان کا حلقہ اثر وسیع تر ہونے لگا۔ تو اِس سے بوکھلا کر مشرقی پاکستان کے اُبھرتے ہوئے سرمایہ دار طبقے کے سیاسی نمائندوں نے اپنی روایتی موقع پرستی اور پرلے درجے کی

رجعت پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے محروم اقتدار رجعت پرست طاقتوں کی طرف بڑے اشتیاق کے ساتھ اتحاد کا ہاتھ بڑھایا اور ترمیم پسندوں نے بھی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح عوام کے خلاف اس غیر اصولی بڑے متحدہ محاذ میں برضا و رغبت شمولیت اختیار کرنے کے لئے از سرِ نو بھاگ دوڑ شروع کر دی۔

ادھر جب عوام کی تحریک نے زور پکڑنا شروع کیا اور محروم اقتدار اور برسر اقتدار رجعت پرست ٹولیوں نے یہ جان لیا کہ یہ تحریک دن بدن بائیں بازو کی طرف جھکتی جا رہی ہے تو ایک طرف تو برسر اقتدار ٹولی کے ذریعہ گرفتار شدگان کی رہائی، طلبار کے ملک گیر مطالبات کی منظوری، ہنگامی حالات کے خاتمے اور اسی طرح کی دوسری تمام چکنی چپڑی باتوں کے ذریعہ اِس عوامی اُبھار کو پنکچر کرنے کی کوششیں شروع کر دی گئیں۔ اور دوسری طرف بات چیت پر در پردہ آمادگی کا اظہار بھی کیا جانے لگا ان دونوں ٹولیوں میں جو در اصل اپنی طبقاتی ہئیت میں کم و بیش ایک ہی سکّے کے دو رخ ہیں۔ خفیہ مذاکرات شروع ہو گئے لیکن جلد ہی انھیں یہ اندازہ ہو گیا کہ صرف انہی ٹولیوں کے اتحاد کے بعد بھی بہ حیثیت مجموعی وہ مطلوبہ قوت حاصل نہ ہو سکے گی کہ عوام کے اس طوفانی دھارے کا رُخ موڑ سکیں جو استحصالی طبقوں۔ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں اور اِن کی پروردہ نوکر شاہی کی بیخ کنی کی طرف مائل تھا۔ ان کی اوّلین خواہش اور کوشش یہ تھی کہ عوامی اُبھار کو صرف اور صرف حکمرانوں کے خلاف اُبھرنے والی ایک تحریک کا رنگ دیا جائے وہ یہ چاہتے تھے کہ حکمراں ٹولی کا اقتدار اُن کے ہاتھ میں آ جائے اور تھوڑی بہت لیپا پوتی کر کے استحصال کا مروجہ معاشی، سیاسی اور سماجی نظام بدستور مسلط رہے اور استحصالی طبقوں پر کسی قسم کی کوئی چوٹ نہ پڑنے پائے اور ان مقاصد کے حصول میں اگر کوئی باہمی اختلاف ہو بھی تو وہ آپس میں ہی لین دین کر کے دور کیا جائے۔ چنانچہ عوام کی طاقت کے خلاف کٹر رجعت پرستوں نے اپنے گرد اگرد خود اپنی ہی .... قیادت میں اور خود اپنے ہی پروگرام پر تمام رجعت پرستوں کا ایک اور عوام دشمن متحدہ محاذ بنانے کی کوششیں شروع کر دیں اور خود اپنی خواہش کے علاوہ ایوب ٹولی کے ایمار سے جمہوری مجلس عمل تشکیل کر دی۔

۱۰

مغربی پاکستان کا سرمایہ دار جاگیردار گٹھ جوڑ اپنی کمائی کی دکان کے دو ٹکڑے کرنے کے لئے قطعی تیار نہ تھا۔ اور نہ ہی وہ کسی کو حصہ دار بنانے کے لئے تیار تھا۔ لیکن عوامی اُبھار میں مشرقی پاکستان کے تیور دیکھ کر اور خود مغربی پاکستان میں عوامی غیظ و غضب کے پیشِ نظر حکمراں ٹولی کو اپنی عاقبت اسی میں نظر آئی کہ اگر استحصالی ڈھانچے کے معاشی خطوط میں تبدیلی کئے بغیر محض سیاسی رد و بدل سے ہی کام نکل سکتا ہو تو تھوڑا بہت ہیر پھیر کر کے پانچ سال کے لئے پھر زندگی مستعار لے لی جائے۔ چنانچہ اسی سوچ کے مطابق حکمراں ٹولی نے محروم اقتدار ٹولی کی طرف دستِ تعاون بڑھاتے ہوئے مہینوں کی کوششوں کے بعد در پردہ ہونے والے خفیہ مذاکرات کو آخری اور باقاعدہ شکل دے دی۔ اور جمہوری مجلس عمل کے نام گول میز کانفرنس کا دعوت نامہ بھیج دیا گیا اور چونکہ محروم اقتدار ٹولی پہلے سے ہی اِس امر کے لئے حالات سازگار کرتی چلی آ رہی تھی اس لئے فوراً ہی بغل گیر ہو گئی اور گول میز کانفرنس میں بیٹھ کر موقع پرست، ترمیم پسند، اور رجعت پسند محروم اقتدار گروہوں پر مشتمل ٹولی برسر اقتدار ایوب ٹولی سے لین دین کی باتیں کرنے لگی۔

ان ٹولیوں نے ابھی تک عوام کی اصل قوت اور اِن کے بھڑکتے ہوئے جذبات کا صحیح اندازہ نہیں لگایا تھا۔ لہذا گول میز کانفرنس کو نسخہ کیمیا سمجھنے والوں نے ابھی بات چیت کا آغاز بھی نہ کیا تھا کہ عوامی طاقتوں نے مختلف شکل میں اپنی کچھ واضح اور کچھ غیر واضح منزل کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ کہیں سُست اور کہیں تیز، کہیں اشتعال انگیز اور کہیں متوازن شکل میں رواں دواں۔ اِس تحریک نے عوامی جذبات کی نمائندگی کرنے والے سیاسی رہنماؤں یعنی بھاشانی اور بھٹو کی اہمیت و وقعت میں اضافہ کر دیا۔ لہذا بہ ہزار دقت تمام انھیں بھی گول میز کانفرنس کے دعوت نامے بھیج دیئے گئے۔ مولانا بھاشانی نے فوری طور پر یہ دعوت ٹھکرا دی۔ ذوالفقار علی بھٹو نے بھی اس کا بائیکاٹ کر دیا اور اس طرح ان دونوں رہنماؤں نے اس موقع پر عوامی جذبات کی صحیح عکاسی کرتے ہوئے گول میز کانفرنس کے ڈھکوسلے کا پردہ چاک کر دیا۔ یہاں پر اصغر خاں کے متعلق ذکر ضروری ہے کہ محروم اقتدار اور برسر اقتدار گروہوں کے باہمی تضاد کے پس منظر میں اس نے عوامی رفاقت کے جو وعدے وعید کئے تھے وہ جھوٹے نکلے خود منع کرنے کے باوجود وہ گول میز کانفرنس میں جا بیٹھا اور آہستہ آہستہ پبلک پلیٹ فارم پر بھی رجعت پسندوں کے ساتھ نتھی ہوتا گیا۔ اور اس سے جو خوش آئند توقعات وابستہ تھیں وہ سب غلط ثابت ہوئیں۔ ایک طرف تو یہ صورت حال تھی دوسری طرف مغربی پاکستان کے چھوٹے اور پسے ہوئے صوبوں کا جاگیردار طبقہ چونکہ گول میز کانفرنس میں متوقع بندر بانٹ کے اندر حصہ بٹورنے کے لئے ساجھے دار نہیں بنایا گیا تھا اس لئے ان میں سے بھی متعدد لوگ اِس کانفرنس کے خلاف شور و غوغا مچا رہے تھے۔ اِس دوران میں یہ بات لوگوں پر سورج کی طرح ظاہر ہو گئی تھی کہ مختلف سیاسی جماعتوں کا اتحاد بے معنی اور بیکار محض ہے اور اس سے کسی تحریک کو تقویت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اصل طاقت عوام کے مختلف طبقات میں مضمر ہے۔ اس لئے سیاسی جماعتیں چاہے وہ تعداد میں بہت ہی کم کیوں نہ ہوں اگر مزدوروں، کسانوں، طالب علموں، دانشوروں اور قوم پرستوں کے اتحاد کی غمازی کریں تو وہ میدان عمل میں زیادہ طاقت ور ثابت ہوں گی۔

بھاشانی اور بھٹو کی طرف سے دعوت نامے کے مسترد کرنے کے بعد گول میز کانفرنس اور رجعت پسندوں کی سازش کی ناکامی پر مہر لگ گئی۔ بھاشانی اور بھٹو کے اس مشترکہ عمل نے ایک اور قدم آگے کی طرف بڑھایا چنانچہ ۹ر اور ۱۰ر مارچ ۱۹۶۹ء کی درمیانی شب میں عوامی طاقتوں کے دباؤ پر ان دو لیڈروں نے ایک عہد نامہ مرتب کیا اور اِس پر دستخط کئے جو فی الحقیقت رجعت پرست متحدہ محاذ کے بالمقابل بائیں بازو کے متحدہ محاذ کی ایک شکل تھی۔ ترقی پسند طاقتوں کے اِس اتحاد پر تمام کی تمام رجعت پرست طاقتیں بوکھلا اٹھیں چنانچہ اس کے فوراً بعد ہی امریکی دلال جماعت اسلامی کے ذریعہ مختلف بہانوں سے قتل عام کا شوشہ اُٹھایا گیا جس کو عوام کے بڑھتے ہوئے شعور نے بری طرح ناکام کر دیا۔ پاکستان کو انڈونیشیا بنانے کا خواب دیکھنے والے اپنے خواب کی تعبیر حاصل کرنے میں سخت ناکام ہوئے اور معاشی مطالبات کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف انتخابی طریقہ کار پر سمجھوتہ کر کے گول میز کانفرنس کی ناکامی کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ بات ظاہر تھی کہ عوام کے دباؤ کے تحت یہ مطالبات گول میز کانفرنس میں شرکت کئے بغیر یوں بھی منوائے جا سکتے تھے۔

۱۱

گول میز کانفرنس میں رجعت پرست، موقع پرست، سامراجی دلال اور ترمیم پسندوں کے اِس گٹھ جوڑ کی ناپاک سودے بازی کی بھیانک ناکامی سے عوامی طاقتوں نے اندرونِ ملک اپنے دوستوں اور دشمنوں کی شناخت، جدو جہد کے انتھک جذبے اور سماجی تاریخ کے بے پناہ شعور کے ارتقائی مراحل طے کئے۔ گھیراؤ کی عظیم الشان تحریک جس کا آغاز دسمبر ۱۹۶۸ء میں ڈھاکہ میں گورنر ہاؤس کے گھیراؤ سے ہوا تھا مطلوبہ تنظیم کے فقدان اور مغربی اور مشرقی پاکستان کے صحیح بائیں بازو کی قوتوں کے درمیان براہ راست باہمی تعلق نہ ہونے کی وجہ سے شروع سے لے کر آخر تک خود ساختہ اور خود رو انداز میں چلتی رہی۔ اس تحریک میں یہ ضرور ہوا کہ مزدوروں نے اپنے انقلابی تیوروں کے ساتھ سیاسی جدوجہد کو معاشی جدوجہد تک پھیلانے میں عملی حصہ لیا۔ لیکن انقلابی ڈسپلن کی عدم موجودگی کی وجہ سے عام طور پر ہیجان اور خلفشار کا ماحول پیدا

ہوگیا۔ جگہ جگہ مزدوروں نے گھیراؤ کرکے اپنے مطالبات کو فوری طور پر حل کرانا سیکھ لیا اپنی قوت میں بے پناہ اضافہ کیا اور سرمایہ داروں کے مقابلے میں ان کی سیاسی مشینری کی موجودگی کے باوجود مزدور طبقے کی عظمت اور ہمہ گیر قوت کا ٹھوس مظاہرہ کیا۔ اِس تحریک کے بل پر مشرقی پاکستان میں کسانوں نے خصوصی ''عوامی عدالتیں'' قائم کرکے دشمن عناصر کو کیفرِ کردار تک پہنچانا شروع کر دیا۔

غصب شدہ عوامی حقوق کے حصول کی یہ تحریک جسے عوام دشمن طاقتیں جمہوریت اور الیکشن کے شیش محل میں بند کرنا چاہتی تھیں جلسوں جلوسوں ہڑتالوں کا روپ بدلتی ہوئی عوام کے نیم تربیت یافتہ جوش و خروش کی وجہ سے کسی حد تک منفی رنگ بھی اختیار کرنے لگی تھی۔ محدود گھیراؤ تحریک کے غیر منصوبہ بند آغاز نے ساری صنعتی زندگی کو درہم برہم کر ڈالا نتیجتاً دہشت، بیزاری اور نراجیت کی کیفیات پیدا ہوگئیں واضح اور طے شدہ اصولی لائحہ عمل نہ ہونے کی وجہ سے درمیانہ طبقہ، قومی سرمایہ دار، چھوٹے سرمایہ دار اور دیگر چھوٹے چھوٹے کاروباری تک اس تحریک کی وجہ سے اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرنے لگے۔ کہیں کہیں تو یہ بھی ہوا کہ چار لاکھ کے سرمائے کی مالیت والوں سے مزدوروں نے گھیراؤ کرکے نو لاکھ کے مساوی مالی مطالبات پیش کر ڈالے۔

اس عظیم عوامی اُبھار نے جہاں پاکستان میں پہلی دفعہ باقاعدہ گھیراؤ کی تحریک کو جنم دیا وہاں مظلوم قومیتوں میں بھی آزادی کی روح پھونکی اور عوامی نعروں نے پہلی دفعہ اقلیتی صوبوں کے عوام کو بھی ان کے حقوق سے آگاہ کیا۔ چنانچہ بین الصوبجاتی مساوات کی تحریک اتنی مؤثر تھی کہ کٹر سے کٹر رجعت پرست اور استحصالی طبقوں کی نمائندہ جماعتوں نے بھی مجبور ہوکر صوبائی خود مختاری کی بات کرنا شروع کر دی۔ یا کم از کم صوبائی خود مختاری کی مخالفت کرنے کے سلسلے میں خاموشی اختیار کرلی۔ لیکن صحیح عوامی قیادت اور عوامی تنظیم کی کمی کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں اقلیتی صوبوں کے عوام کی تحریک کی قیادت وہاں کے مقامی جاگیردار اور بڑے زمیندار طبقے نے ہتھیا لی۔ دونوں حصوں میں ظالم طبقوں نے کہیں تنہا کہیں مل جل کر قومیتوں کی تحریک خود مختاری کو قومیتی تعصب کا رنگ دینا شروع کر دیا۔ اسے صرف اور صرف صوبائی منافرت تک ہی محدود رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا۔ اور اس کو اس کے صحیح رُخ ——— یعنی جاگیرداری اور بڑی زمینداری کے خاتمے ——— کی طرف نہیں جانے دیا۔

مغربی پاکستان میں جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں نے ون یونٹ توڑ دو کے نعرے کو مسلط کرکے اپنی پوزیشن مستحکم کرلی حالانکہ صرف ون یونٹ کے ٹوٹنے سے دیہی معیشت میں کوئی مثبت انقلاب نہیں آسکتا۔ جب تک کہ جاگیرداروں کو بے دخل کرکے زمین کا حقدار ہاری اور کسان کو نہ بنا دیا جائے۔ موجودہ حالات میں ون یونٹ کی تنسیخ سے اس کے سوا اور کوئی تبدیلی نہیں آسکتی کہ چھوٹے صوبوں کے وڈیروں، میاؤں، چودھریوں اور خانوں کے ہاتھ میں استحصال کا انتظامی اور ریاستی ڈنڈا آجائے۔ کیونکہ دیہی فضا ابھی تک گہرے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی ہے صحیح طبقاتی نظریات کے سورج کی کرنیں وہاں تک نہیں پہنچی ہیں وہاں یہ دلتاری سیاست کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ اس لئے ون یونٹ توڑ دو کے نعرے کا مثبت طبقاتی پہلو معدوم ہوکر رہ گیا۔ اور منفی طبقاتی پہلو نے اتنی مقبولیت حاصل کرلی کہ قومی منافرت تشدد کی شکل میں پھوٹ پڑی اور اس کو روکنا جو کچھ بھی ترقی پسند طاقت موجود ہے۔ اس کے بس کی بات نہ رہی۔ بلکہ خود ان عصبیت پسندوں کے ہاتھوں سے بھی نکل گئی جنھوں نے اسے بھڑکایا تھا۔

مشرقی پاکستان کے ابھرتے ہوئے سرمایہ داروں کے نمائندے نے صوبائی خود مختاری اور نمائندگی بہ تناسب آبادی کا سہارا لیتے ہوئے اپنی جبلّی موقع پرستی کا اظہار کیا اور گول میز کانفرنس کی مکمل ناکامی اور عوامی ابھار کے مزید شدّت اختیار کرلینے پر خوفزدہ ہوکر رجعت پرست متحدہ محاذ ——— جمہوری مجلس عمل سے اپنی لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے گول میز کانفرنس میں شرکت کرکے عوام کی نظروں میں خود اپنے آپ جس گند میں ملوث ہوچکا تھا اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اس میں موجود کٹر رجعت پرست جماعتوں پر حملہ کر دیا اور اِس طرح عوام کے سامنے اپنی مسخ شدہ تصویر کو کچھ ٹھیک ٹھاک کرکے پیش کرنے کی مکاری کا ثبوت دیا۔ ترمیم پسند جو عوامی لیگ کا دم چھلّہ بنے ہوئے تھے۔ انھوں نے ون یونٹ کے مسئلے میں اپنی غداری اور عوام دشمنی کو چھپاتے ہوئے کم و بیش یہی راہ اختیار کی حالانکہ یہ حقیقت عالم آشکارا ہوچکی تھی کہ یہ دونوں بدمعاش گروہ اپنے اپنے متعلقہ مسائل و مطالبات پر عوام سے غداری کرنے کے بعد ہی جمہوری مجلس عمل میں شامل ہوئے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ اب عوام کے دباؤ سے خوفزدہ ہوکر الٹی سیدھی بہانے بازیاں کرنے اور منہ چھپانے کے سوا اِن کے پاس کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا۔ اِس کے ساتھ ہی ساتھ مشرقی پاکستان کے اُبھرتے ہوئے سرمایہ دار نے مزدور، طلبا، کسان اتحاد کی اُبھرتی ہوئی طاقت کو پاش پاش کرنے کے لئے برسرِاقتدار ٹولی کے ساتھ مل کر انتہائی نفرت انگیز صوبائی عصبیت کی مہم چلائی۔ جس کے نتیجے میں پورے مشرقی پاکستان میں بڑے پیمانے پر بنگالی غیر بنگالی فسادات شروع ہوئے۔ اس مکروہ طریقہ کار کی بدولت اگر ایک طرف عوامی جدوجہد کی سمت جس کا دھارا استحصالی طبقوں کے خلاف تھا موڑ کر عوام کے مابین تضادات سے فائدہ اُٹھا کر اور عوام کو عوام سے ٹکرا کر عوام کی طاقت کو کمزور کیا گیا۔ تو دوسری طرف ان عوامی طاقتوں کو جو استحصالی طبقوں اور لٹے ہوئے طبقوں کے درمیان تضاد اور زیادہ تیز کرنے کی کوشش کر رہی تھیں ذرائع نشر و اشاعت کا بھرپور استعمال کرکے اِن عصبیت زدہ فسادات کا ذمہ دار ٹھہرا کر عوام کے مابین اِن کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کئے گئے۔

(۱۲)

عوامی اُبھار کے تند و تیز ریلے میں برسرِاقتدار و محروم اقتدار رجعت پرست قوتوں کی ایک ایک سازش خس و خاشاک کی طرح بہتی چلی گئی چنانچہ جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے برسرِاقتدار ٹولی نے سب سے پہلے تو کچھ لے دے کر اپنے اقتدار کو بچانے کی کوشش کی۔ جب اس میں ناکامی ہوئی تو اس کے بعد محروم اقتدار کٹر رجعت پرست قوتوں سے متحدہ محاذ بنانے کی در پردہ سازشیں ہونے لگیں لیکن اس میں سراسر ناکامی نظر آنے کے بعد محروم اقتدار رجعت پرست قوتوں کے ساتھ ——— جس میں سامراجی دلال، ترمیم پسند اور موقع پرست سب ہی شامل تھے ——— مل کر گول میز کانفرنس کے ذریعہ اقتدار میں حصّہ بانٹ کرنے کی سازش کی جس کو عوامی ابھار نے بالکل ناکام بنا دیا اور گھیراؤ کی تحریکوں اور قومی آزادی کی تحریک نے وہ زور پکڑنا شروع کر دیا کہ تمام رجعت پرست قوتیں چاہے وہ برسرِاقتدار ہوں یا محروم اقتدار پریشان ہوکر ملک میں اس امن کا راگ الاپنے لگیں جو مزدوروں اور کسانوں کے استحصال پر مبنی ہوتا ہے۔

ایسے وقت میں جبکہ عوام نے برسرِاقتدار ٹولی کے نمائندوں کو بالکل مسترد کر دیا تھا فوج کے سربراہوں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اس برسرِاقتدار ٹولی کے دفاع کے لئے فوج کی قومی جنگ میں کمائی ہوئی نیک نامی کو قربان کر دیا جائے اور ایوب ٹولی کی دس سالہ گندگی کو اپنے سر منڈھ لیا جائے۔ اِس ضمن میں ساتھ ہی ساتھ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مشرقی پاکستان میں مولانا بھاشانی اور مجیب الرحمٰن سے سودے بازی کئے بغیر حالات پر قابو نہیں پایا جا سکتا تھا۔ مولانا بھاشانی سے تو سودے بازی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور فوج کے اعلیٰ افسران ایوب خاں کے لئے اس حد تک جھکنے کے لئے قطعی تیار نہیں تھے کہ مجیب الرحمٰن سے جو خود فوجی اقدامات کی وجہ سے ہی اگرتلہ سازش کیس کا ملزم بنایا گیا تھا۔ از خود بات کرکے سودے بازی مکمل کر لیتے اور ایوب خان کو مکمل زوال سے بچاتے۔ اس وجہ سے ایوب ٹولی کی سرکردگی اور اس کے دفاع کے لئے فوج نے مداخلت کرنے سے انکار کر دیا۔

یہ حالات صرف ایوب ٹولی کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام رجعت پرست قوتوں امریکی سامراج اور روسی ترمیم پسندوں کے لئے باعث صد تشویش بن گئے تھے چنانچہ

اِس موقع پر روسی وزیر دفاع نے پاکستان کا دورہ کر کے مذکورہ بالا رجعت پرست قوتوں کو یقین دلایا کہ اِن کی تمام رجعت پرستانہ سرگرمیوں میں روسی ترمیم پسندوں کی حمایت شامل حال رہے گی۔

تمام رجعت پرست قوتوں کے ایماء پر ایوب ٹولی نے اپنے ترکش سازش کا ایک اور تیر چلایا۔ اور نوکر شاہی کے مکروہ چہروں کو ہٹا کر بظاہر آزادی پسند افراد کو دونوں صوبوں کی سربراہی سونپ دی۔ چنانچہ امریکی سامراجی، روسی ترمیم پسندوں اور مقامی رجعت پرستوں کی سوچی سمجھی سازش کے تحت ملک کے سب سے زیادہ نفرت زدہ افراد ——— موسیٰ خاں اور منعم خاں کو منصبِ گورنری سے ہٹا کر ہارون اور ہدیٰ کو اس منصب پر فائز کر کے عوام کو گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔

ہارون نے اپنی آزادی پسندی کا آتے ہی ڈھنڈورا پیٹا اور مزدوروں اور طلباء سے فوری طور پر بات چیت شروع کر دی۔ اور کچھ مراعات دینے کا وعدہ بھی کر لیا۔ ہدیٰ نے مشرقی پاکستان میں تمام سیاسی رہنماؤں سے مذاکرات شروع کر دیئے۔

لیکن یہ تبدیلی بھی بگڑتی ہوئی صورتِ حال کو روکنے میں کوئی خاطر خواہ کام انجام نہ دے سکی۔ آخر کار تیزی سے ابتر ہوتی ہوئی صنعتی صورتِ حال، شہری زندگی کے بڑھتے ہوئے تعطل، تباہی کی طرف گامزن دیہی معیشت، عروج پر پہنچی ہوئی انارکی اور تشدد آمیز صوبائی منافرت نے دس سال سے قابض آمر کو مجبور کر دیا کہ اب وہ اقتدار سے اپنے آپ علیحدہ ہو جائے اس لئے کہ اس سے کم پر عوام کسی طرح بھی مفاہمت کے لئے تیار نہ تھے۔ چنانچہ اِس آمر نے عوام کے غیظ و غضب سے اپنے آپ کو بچانے کیلئے بحالتِ مجبوری قلمدانِ حکومت فوج کے سپرد کر دیا۔ اور مارشل لاء کا نفاذ ہو گیا۔

۱۳

گزشتہ دنوں ملک گیر منظم اور غیر منظم عوامی اُبھار بنیادی طور پر اپنے کردار کے اعتبار سے بیرونِ ملک امریکی سامراج اور روسی سوشل سامراج اور اندرونِ ملک ان کے حاشیہ بردار طبقات کی استحصالی اور منافقانہ قومی اور بین الاقوامی پالیسیوں کے خلاف نچلے مزدور اور متوسط طبقے کی ہمہ جہت بے چینی کا عملی اظہار تھا۔

ساتھ ہی ساتھ اِس میں شہری علاقوں میں سماجی، معاشی اور سیاسی عدم مساوات کے واضح دباؤ کے خلاف ادنےٰ سرمایہ دار کی نفرت کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

اِس بے مثال عوامی اُبھار نے بھرپور تنظیم اور مطلوبہ ترقی پسند قیادت نہ ہونے کے باوجود برسرِ اقتدار ٹولی اور ملک کی تمام رجعت پرست قوتوں کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ عوامی تحریک اگر جمہوری اور سامراج دشمن تحریک ہو تو اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود یہ عوام کی لڑنے کی قوت اور انقلابی روح اور جذبہ میں حیرت انگیز اضافہ کرتی ہے خاص طور پر کسانوں کی تنظیم کے زبردست فقدان کی وجہ سے یہ عوامی ابھار اپنے پھیلاؤ اور اثر میں محدود اور سمٹا ہوا رہا اِس عوامی اُبھار نے اِس بنیادی صداقت کا بڑی شدت کے ساتھ مزید احساس دلایا کہ کسان ایک بہت بڑی قوت ہیں جن کو جلد از جلد منظم کرنا ہمارا فریضہ ہے۔ وہ زبردست فعال انقلابی اور کثیر قوت کی نمائندگی کرتے ہیں وہ عوامی جنگ کے لئے مجاہد فراہم کرتے ہیں رجعت پرست قوتوں کی حکومت میں کمزور ترین کڑی اندرونی علاقہ ہی ہوتا ہے اور اِس کڑی کو یقینی طور پر توڑنے کے لئے کسانوں کی طبقاتی تنظیم کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔ اگر یہ کمی نہ ہوتی تو کم از کم مغربی پاکستان میں عوام جابر ترین جاگیرداری کے فرسودہ نظام کو کمزور کرنے میں کسی نہ کسی حد تک ضرور کامیاب ہو جاتے ساتھ ہی ساتھ اِس عوامی اُبھار نے مزدور طبقے کو قوتِ محرکہ اور شہروں کو رزمیہ جھڑپوں کے مرکز کی حیثیت سے نمایاں کیا ہے۔

مشرقی پاکستان کے اُبھرتے ہوئے سرمایہ دار اور جاگیردار گٹھ جوڑ کے درمیان قیام پاکستان سے ہی تضاد موجود ہے مشرقی پاکستان میں بائیں بازو کی گرفت کمزور ہونے کی وجہ سے وہاں کے اُبھرتے ہوئے سرمایہ دار نے اِس تضاد کو حل کرانے کی جدوجہد میں سبقت لے کر جدوجہد کا پورا رُخ ——— جو مغربی پاکستان کے بڑے سرمایہ دار جاگیردار گٹھ جوڑ کے خلاف ہونا چاہیئے تھا ——— موڑ کر مشرقی و مغربی پاکستان کے درمیان مصنوعی تضاد کا غلط رُخ دے دیا۔

یہ جدوجہد اگر عوامی طاقتوں کے زیرِ قیادت ہو تو اس کا صحیح رُخ پاکستان کے بڑے سرمایہ دار جاگیردار گٹھ جوڑ کے خلاف .... واضح اور متعین ہو جانے اور مشرقی پاکستان کا اُبھرتا ہوا سرمایہ دار بھی اپنی بقاء کے لئے اِس رُخ پر چلنے کے لئے مجبور ہو جائے لیکن جہاں خارجی حالات اِس جدوجہد کے متقاضی تھے وہاں داخلی حالات ——— یعنی عوامی طاقتوں کی کمزوری اور کجروی ——— اِس کی تکمیل میں آڑے آرہے تھے اور یہی وجہ ہے کہ جب مشرقی پاکستان کے غصب شدہ حقوق کے لئے جدوجہد کی جاتی ہے تو مشرقی پاکستان کا اُبھرتا ہوا سرمایہ دار اِس کو عصبیت کا رنگ دے دیتا ہے۔

مشرقی و مغربی پاکستان میں علیحدہ علیحدہ اور بین الصوبجاتی بنیادوں پر مطلوبہ مضبوط تنظیم اور ٹھوس باہمی رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے عوامی قیادت عوامی اُبھار کے دوران امریکی سامراج جاگیرداری، اجارہ دار سرمایہ داری و نوکر شاہی اور مشرقی و مغربی پاکستان کے عوام کے درمیان پائے جانے والے تضادات کو حل کرانے کے لئے صد فی صد کامیاب جدوجہد چلانے میں کامیاب نہ ہو سکی لیکن اس کے باوجود اپنی طاقت اور تنظیم کو دیکھتے ہوئے عوامی قیادت نے حتی المقدور اپنے دائرہ اثر میں وسعت پیدا کرنے، نئے کادر کو نکالنے، عملی اور نظریاتی تربیت حاصل کرنے اور عوامی اُبھار کو ایک ریہرسل کے طور پر استعمال کرنے میں قابلِ قدر کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

ان تمام تجربات کے باوجود اگر عوامی بے چینی کو کوئی منظم ترقی پسند سیاسی و طبقاتی مرکز نہ ملا تو یہ امر قطعی طور پر طے شدہ ہے کہ عوام کی محرومیوں کا احساس جو انتہائی شدید تھا مستقبل میں اس سے بھی زیادہ شدت اختیار کر جائے گا اور مستقبل کی ہر حکومت کے لئے اتنا زبردست خطرہ بن کر اُبھرے گا کہ اس کے مقابلے میں مذکورہ عوامی اُبھار انتہائی معمولی نظر آئے گا۔

اِس عوامی اُبھار میں ترقی پسند طاقتوں نے اپنی تنظیم کے نقدان کو پورا کرنے کے لئے بعض اوقات اپنی طاقت سے بھی زیادہ لمبی چھلانگیں لگائیں اور محدود تنظیم کی مدد سے پھیلائے ہوئے کام کو سمیٹنے اور تنظیمی طاقت بنانے کے بجائے کام کے ریلے ہی میں بہتی چلی گئیں۔ اِس کے برعکس بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ کمزور تنظیم کی مشکلات کا ہوشمندی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے بجائے انقلاب و فتوحات کے فوری حصول کے لئے غیر انقلابی اور غیر ترقی پسند طاقتوں کے ساتھ متحدہ محاذ بنا کر طاقتور بننے کی بچکانہ خواہش کے تحت غیر اصولی و غیر انقلابی تنظیمی فیصلے کر لئے گئے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ایک مخصوص دور میں ایک مخصوص فریضے کی ادائیگی کے سلسلے میں ایک رجحان کسی دوسرے خاص رجحان پر غالب آجایا کرتا ہے دائیں بازو کے غلط رجحان کی مخالفت کرتے ہوئے بائیں بازو کا غلط رجحان نمایاں ہو سکتا ہے اس وجہ سے کام کی طرف ہمارا غیر محتاط رویہ نہیں ہونا چاہیئے۔

عوامی اُبھار کے تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ امریکی سامراج اور روسی سوشل سامراج نے ہمیشہ جارحانہ کارروائیاں کی ہیں اور دنیا بھر کے انقلابی عوام ان کو سزا دیئے بغیر معاف نہیں کر سکتے۔ دنیا بھر کے دوسرے ملکوں کے عوام کی طرح پاکستان کے عوام بھی اب جاگ رہے ہیں۔ امریکی سامراج روسی سوشل سامراج اور ان کے حواریوں کے خلاف

عالمی جدوجہد کے ساتھ ساتھ قومی جدوجہد کا بھی ایک تاریخی دور شروع ہو چکا ہے۔ عوام اب اپنے اپنے ملکوں میں امریکی سامراج، روسی سوشل سامراج کی پٹھو حکومتوں کے خلاف پرولتاریہ کی قیادت میں قومی سرمایہ دار، کسان اور دانشور کے اتحاد کے ساتھ سامراجیت، جاگیرداریت، سرمایہ داریت، نوکر شاہی، موقع پرستی اور ترمیم پسندی کا قلع قمع کرنے کے لئے اٹھ رہے ہیں۔

اس عوامی ابھار کے دوران ہم نے اپنے طور پر یہ سبق حاصل کیا کہ عوامی جمہوریت قائم کرنے کے لئے کسی قسم کا چور راستہ اختیار نہیں کیا جا سکتا جذباتی اور ہنگامی فیصلوں کے تحت طویل المیعاد عوامی جنگ کے راستے کو نظر انداز کرنا شورش پسندی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہمیں ہر جگہ اور ہر قیمت پر مزدور طبقے کی طبقاتی سیاست کا پرچم بلند کرنا ہوگا۔ جب کبھی بھی ہم طبقاتی کشمکش کی اٹل حقیقت کو بھولنے کی کوشش کریں گے تو دائیں اور بائیں بازو کی کجرویوں کے ارتکاب سے نہ بچ سکیں گے۔ اس وقت کی شدید ترین ضرورت یہ ہے کہ تنظیمی اور نظریاتی طور پر ایک گٹھی ہوئی عوامی تنظیم قائم کی جائے۔ اس کی زیر قیادت مزدوروں کو ٹریڈ یونینوں اور کسانوں کو کسان کمیٹیوں کی طبقاتی تنظیموں میں منظم کر کے ایک عوامی جمہوری متحدہ محاذ قائم کیا جائے اور متحدہ محاذ کی رہنمائی میں عوامی مطالبات پر طبقاتی لڑائیاں لڑتے ہوئے پرولتاریہ اور کسانوں کے اچھے عناصر پر مشتمل وہ عوامی قیادت کھڑی کی جائے جو عوامی جمہوریت کے قیام کے لئے لازمی اور اٹل شرط کی حیثیت رکھتی ہے یہ باتیں اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی ہیں تاکہ عوامی کارکن مہم پسندی، موقع پرستی، جلد بازی اطاعت پرستی، شورش پسندی اور بورژوا سیاست کی غلطیوں سے دور رہیں۔

اصولی طور پر ہم عوام کے جم غفیر کے ساتھ ہیں جو کل آبادی کے ۹۵ فیصد سے زائد پر مشتمل ہے۔ ہم ہرگز ہرگز زمینداروں، امیر کاشتکاروں، انقلاب دشمنوں، خراب عناصر اور دائیں بازو کے لوگوں کا ساتھ نہیں دیں گے۔ جو کل آبادی کا زیادہ سے زیادہ چار یا پانچ فیصد حصہ ہیں ہم تمام انقلابی عوام سے متحد ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن ہم سامراجیوں، ترمیم پسندوں اور تمام رجعت پرستوں سے ہرگز ہرگز اتحاد نہیں کریں گے۔

⑭

موجودہ مرحلے میں پاکستان کے اندر ہمارا پروگرام

۱۔ عوامی جمہوریت کا قیام۔

عوامی جدوجہد کو پورے عزم اور استقلال کے ساتھ منظم کرنے کے لئے طبقاتی جتھہ بندی اور تنظیمی صف بندی کی جائے اور اس کے لئے نظریاتی صفائی اور ابتدائی عملی تربیت کے بعد دیہاتوں کی طرف پیشقدمی کی جائے تاکہ موجودہ آمرانہ حکومت کی جگہ مزدوروں، کسانوں، چھوٹے اور قومی سرمایہ داروں اور محب وطن جمہوریت دوست افراد پر مشتمل ایک ایسی عوامی جمہوری حکومت قائم کی جا سکے جو آزاد خود مختار، سامراج دشمن اور جمہوری پالیسی پر عمل پیرا ہو۔

۲۔ جمہوری آزادیوں کی ضمانت۔

وہ تمام کالے قوانین، قواعد و ضوابط، دفعات، آرڈرز، نوٹس اور آرڈیننس ختم کئے جائیں جو عوام اور وطن عزیز کے مفاد کے خلاف ہیں۔ عوام کو تحریر و تقریر، طباعت و اشاعت، اجتماع، تنظیم، جلوس، عقیدہ، روزگار، انتخابات، رہن سہن نقل و حمل اور حصول علم کی وہ تمام آزادیاں اور حقوق دیئے جائیں جو عوام اور وطن عزیز کے مفادات میں ہیں۔ تمام طالب علموں اور سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے نیز مارشل لا فوری طور پر ختم کیا جائے۔

۳۔ سامراجیوں اور ان کے حواریوں کی املاک کی ضبطی۔

امریکہ برطانیہ اور دیگر تمام سامراجی ممالک اور روسی سوشل سامراج اور ان کے حواریوں کی املاک اور سرمائے کو ضبط کر لیا جائے ان سارے خطا کاروں کی جائیداد اور ملکیت بھی ضبط کر لی جائے جن کی نشاندہی عوام الناس کر دیں۔ اس تمام ضبط شدہ مال و دولت کو ملک و قوم کے حق میں استعمال کیا جائے۔ تمام عوام دشمنوں، سفاک جاگیرداروں اور غنڈوں کو ان کے سنگین جرائم کے مطابق سخت ترین سزائیں دی جائیں اگر متعلقہ مجرموں میں سے کوئی اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے پر آمادہ ہو اور وہ عوام کے سامنے اپنے کرتوتوں کا اعتراف و اقرار کرے اور عوام اسے معاف کر دیں تو مذکورہ فرد کو از سر نو اپنی زندگی کا آغاز کرنے کا موقع دے دیا جائے۔

۴۔ غلامانہ معاہدے چھوڑ دیئے جائیں۔

تمام غدارانہ اور غیر منصفانہ عہد ناموں اور معاہدوں مثلاً معاہدۂ تاشقند، پاک امریکی باہمی دفاعی معاہدہ، سیٹو، سینٹو اور دولت مشترکہ کی رکنیت اور پابندی فوری طور پر ختم کی جائے معرکۂ ستمبر کے تمام دوست ملکوں خصوصاً عوامی جمہوریہ چین سے قریب ترین تعلقات قائم کئے جائیں امریکہ ایشیا اور لاطینی امریکہ اور خصوصاً کشمیر اور فلسطین، اری ٹیریا کی تمام تحریکات آزادی کی عملی اور ٹھوس تائید کی جائے مساوات خود مختاری اور علاقائی سالمیت کے لئے باہمی احترام کی بنیاد پر تمام ممالک سے دوستانہ تعلقات استوار کئے جائیں سامراجیوں، ترمیم پسندوں اور دوسرے تمام عوام دشمنوں کی بھرپور مخالفت کی جائے۔

۵۔ علاقائی مساوات ہر شعبے میں قائم کی جائے۔

پاکستان کے تمام علاقوں کے باشندوں کے درمیان مساوی حقوق کی بنیاد پر روزگار، تعلیم، ٹیکس، اعتقاد، زرمبادلہ، زبان، ثقافت، معیشت اور دیگر تمام غیر متعصبانہ مطالبات کی تکمیل کے سلسلے میں باہمی امداد و تعاون کا مظاہرہ کیا جائے علاقائی تعصب اور نسلی امتیاز کی شدت کے ساتھ مخالفت کی جائے جواڑہ شاہی ختم کی جائے ایک یونٹ کا خاتمہ کیا جائے۔ وفاقی نظام حکومت اختیار کیا جائے۔ مشرقی پاکستان میں سیلابوں کا ہنگامی طور پر سدباب کیا جائے۔

۶۔ جاگیرداری ختم کی جائے۔

جاگیردارانہ لوٹ کھسوٹ کا نظام ختم کیا جائے۔ لگان اور سود کم کیا جائے۔ تمام غیر منصفانہ قرضے ختم کئے جائیں اور امداد باہمی اور ریاستی بنیاد پر مشترکہ کھیتی باڑی کے ذریعہ زرعی انقلاب برپا کیا جائے زمین کسانوں میں تقسیم کی جائے۔ نہروں کی تعمیر، کھاد، بیج اور سرکاری قرض کی تقسیم اور انتظام کا مناسب انتظام کیا جائے۔ بیرونی منڈی میں زرعی پیداوار کی کھپت کے لئے بیرونی تجارت کے شعبے کی قومی نقطۂ نظر سے تعمیر کی جائے۔

۷۔ نجی ہاتھوں میں سرمائے کے ارتکاز کو روکا جائے۔

اجارہ دارانہ نوعیت کی تمام نجی اور کلیدی صنعتوں، بینکوں اور انشورنس کمپنیوں کو قومی ملکیت میں لے لیا جائے ریاستی صنعت و حرفت کے تمام کاروبار کو وسعت اور ترقی دی جائے کہ وہ ظالمانہ استحصال نہ کر سکے اور قومی صنعت کو نقصان پہنچانے کے قابل نہ رہے اور گھریلو دستکاری، گھریلو صنعت کے کاروبار کو بھی امداد اور تقویت دے کر سرپرستی کی جائے۔

۸۔ عورتوں کو برابر کا درجہ دیا جائے۔

عورتوں کو سیاسی، معاشی، ثقافتی، تعلیمی اور قومی احیار کے تمام شعبوں میں مردوں کے برابر حقوق دیئے جائیں۔ عورتوں اور بچوں کی فلاح و بہبود کے لئے پورا دھیان رکھا جائے۔

۹۔ مزدوروں کی محنت کا پورا معاوضہ دیا جائے۔

مزدوروں کو روزگار، اجرت اور تحفظ کی ضمانت دی جائے یکساں نوعیت اور یکساں معیار و مقدار کی پیداوار پر بڑھاپا، عمر، اور رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر پورا پورا معاوضہ دیا جائے ان کو حق ہڑتال اور اجتماعی سودے کاری کا حق دیا جائے اور ان کو نمائندگی پوری دی جائے اور روٹی روزگار کی ضمانت دی جائے۔

بقیہ صفحہ پر

مارکوپولو

صحرا بہ صحرا کو بہ کو

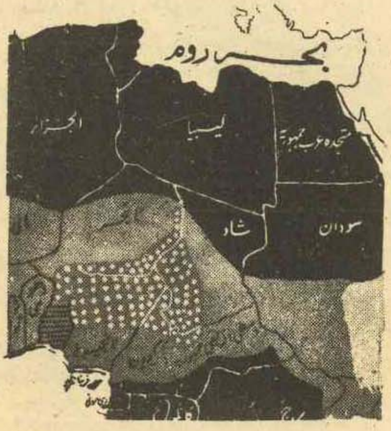

بساطِ عرب پر سامراج کا ایک اور مُہرا پِٹ گیا

لیبیا میں فوج نے شاہ ادریس السنوسی کا تختہ اُلٹ دیا گیا

عالم عرب سے ایک عفریت اور مار بھگایا گیا، بساطِ عرب پر عالمی سامراج کا ایک مہرہ اور پٹ گیا۔ لیبیا کی فوج نے امریکی سامراج کے پٹھو اور برطانوی سامراج کے دلال شاہ ادریس السنوسی کا تختہ الٹ دیا، انقلابیوں نے بادشاہت کا خاتمہ کرکے ملک کو جمہوریہ بنانے کا اعلان کر دیا ہے، ملک کا نظم و نسق ایک انقلابی کونسل نے سنبھال لیا ہے، جس کی سربراہی کرنل سعدالدین ابوشواریب کر رہے ہیں، نئی انقلابی کونسل نے ملک میں آزادی، سوشلزم اور اتحاد نافذ کرکے ملک کو غربت اور پسماندگی سے نجات دلانے کے عزم کا اعلان کیا ہے

لیبیا شمالی افریقہ میں واقع ایک مسلم ریاست ہے، اس کا رقبہ ۶ لاکھ اسی ہزار مربع میل اور آبادی اٹھارہ لاکھ ہے ؛ ل.

لیبیا پر سامراجی تسلّط کی ابتداء ۱۹۱۱ء سے ہوئی، جب اٹلی کے فاشسٹوں نے اس پر اپنا قبضہ جما لیا، انکی فاشسٹ حکومت سیاسی ظلم و تشدد اور اقتصادی بدحالی کا پیش خیمہ تھی، دوسری عالمی جنگ کے دوران اٹلی کو شکست دے کر لیبیا پر برطانیہ نے قبضہ کرکے دسمبر ۱۹۵۰ء میں شاہ ادریس السنوسی کو بادشاہ نامزد کر دیا ۲۴ر دسمبر ۱۹۵۱ء کو ایک نام نہاد دستور ساز اسمبلی (جسے نہ عوام کی پشت پناہی حاصل تھی نہ اخلاقی تائید) کے ذریعہ ایک فاشی دستور لیبیا پر مسلّط کر دیا گیا، اور عوام کی آزادی پر رکاوٹیں اور پابندیاں عائد کر دی گیئں۔ــــ

آزادی کے بعد برطانیہ امریکہ اور فرانس کے ساتھ لیبیا کے تعلقات اولین حیثیت اختیار کر گئے، کیونکہ شاہ ادریس سامراجیوں کی سیاسی اور فوجی پشت پناہی سے اپنا اقتدار قائم کر سکتا تھا، اور یہ سامراجی ممالک عرب اقوام میں فتنہ و شر پھیلانے، اپنے سیاسی اور اقتصادی مفادات بڑھانے اور بحیرۂ روم کے لئے لیبیا کو خاص فوجی اہمیت دیتے تھے، چنانچہ برطانیہ اور امریکہ نے اپنے سامراجی مقاصد پورے کرنے اور شاہ ادریس نے اپنی جابر حکومت برقرار رکھنے کے لئے آپس میں دو معاہدے کئے، جن کی رو سے لیبیا نے ان سامراجی ملکوں کو فوجی سہولتیں دینے کا یقین دلایا، چنانچہ ایسے انتظامات کر لئے گئے کہ برطانیہ اور فرانس کی فوجیں بھی غیر معینہ مدت تک لیبیا میں مقیم رہیں گی، اور امریکہ کا فوجی عملہ بھی مقیم رہے گا، لیبیا کی حکومت مالی اور اقتصادی امور کے انتظامات کے لئے برطانوی افسران کو کلّی اختیارات دے گی، اس کے علاوہ امریکہ کے لئے ایک فوجی ہوائی اڈے کا حق بھی تسلیم کر لیا گیا،

۱۹۶۱ء میں تیل کی فروخت کے ذریعہ لیبیا کی آمدنی گیارہ لاکھ چالیس ہزار برطانوی پونڈ تھی، جو اس سال بڑھ کر اکتالیس کروڑ تیس لاکھ پونڈ ہو جائے گی، ۱۹۷۰ء تک لیبیا تیل کی پیداوار کے سلسلہ میں دنیا کا تیسرے نمبر کا ملک ہو جائیگا اور آج کل برطانیہ کو سب سے زیادہ تیل فروخت کرنے والا ملک ہے ؛

ان اعداد و شمار سے واضح ہو جاتا ہے کہ تیل کی صنعت کو سامراجی چنگل سے نکالنے والا ہی لیبیا کا سچا دوست ہو سکتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ لیبیا کے ۱۹۷۰ء کے قومی بجٹ کا 82:8 فیصد حصہ تیل کی آمدنی ہی سے پورا کیا جائے گا،

ان اعداد و شمار سے دوسرے وسائل سے قومی آمدنی کا تناسب بھی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ لیبیا کی ۹۹.۹ فیصد برآمدات تیل پر مشتمل ہیں۔

لیکن زمین سے دولت اگلنے کے باوجود تقسیم دولت کے نظام کے نقائص کا اندازہ اس بات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے قابل چھ بچوں میں سے

اسرائیل کے خلاف عرب عوام کی انقلابی جدوجہد کے مثبت نتائج نکلنے شروع ہو گئے ہیں، اس کی حالیہ واضح مثال عرب سرزمین پر باقی سامراج کے حواریوں میں سے ایک امریکی سامراج کے پٹھو اور امریکی سامراج کے دلال لیبیا کے شاہ ادریس کی حکومت کا تختہ الٹا جانا ہے: برطانوی سامراجی حکمران حلقوں میں عوام کی اس فتح پر بہت کھلبلی مچی ہوئی ہے، کیونکہ شاہ ادریس کا لیبیا، برطانیہ کو سب سے زیادہ تیل سپلائی کرنے والا ملک تھا انقلابی حکومت کا اگلا مثبت اقدام یقیناً لیبیا کے عوام کے تیل کے مفاد کو فروغ دینا ہوگا۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ سامراجی مفادات پر سخت انقلابی چوٹیں ماری جائیں 'ترمیم پسندوں کے جال سے بچا جائے اور عرب انقلابیوں کے عظیم نعرے" اسرائیل کے خلاف جنگ آخر تک جنگ" پر عمل کیا جائے۔

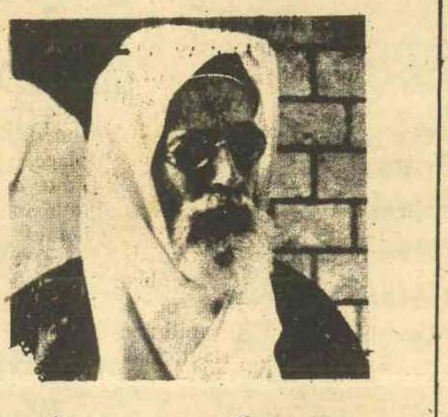

بہترین دوست (اکانومسٹ)

ــــــ ایک برطانوی ہفتہ وار

جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی اندھی لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے صرف ایک بچہ تعلیم حاصل کر سکتا تھا،

لیبیا کے دارالحکومت طرابلس میں لوگ انقلاب کی خبر سُن کر سڑکوں پر نکل آئے

جیسا کہ انقلاب کے سربراہوں کے اعلانات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ انقلاب عرب عوام کی سامراج دشمن تحریک ہی کی ایک کڑی ہے۔ اور اس سے عرب دنیا میں قومی جدوجہدِ آزادی کی قوتوں کو تقویت پہنچے گی،

لیبیا کے قائد انقلاب کرنل سعدالدین بوشعیرب

مغربی حلقے اس انقلاب سے اتنے خوفزدہ ہو گئے ہیں کہ انھوں نے اعلان کیا ہے کہ — "لیبیا میں مغربی مفادات خطرے میں پڑ گئے ہیں"

ہمیں امید ہے کہ یہ انقلاب روسی سوشل سامراج کی ترمیم پسندی کے جال سے بچتا ہوا عرب انقلاب کے عظیم نعرے —

"اسرائیل کے خلاف آخر تک جنگ"

پر لبیک کہتا ہوا عرب عوام کے مفادات کو بڑھائے گا، سامراجیوں کی تمام فوجی اور اقتصادی سہولتوں پر پابندی عائد کرے گا اور تمام سامراجی فوجی معاہدوں سے لیبیا کو علیحدہ کرے گا،

ہم حکومتِ پاکستان کو لیبیا کی انقلابی حکومت کو تسلیم کر لینے پر مبارکباد دیتے ہیں —

چیکوسلواکیہ پر روسی قبضہ کو ایک سال پورا ہو گیا

فسطائیت کی عالمی شکست کے بعد، ۲۰ اگست ۱۹۶۸ء کی رات چیکوسلواکیہ کی تاریخ کی سب سے زیادہ ہولناک اور سیاہ ترین رات تھی، اس رات کی تاریکیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سوشل سامراجی روسی ترمیم پسند بھگوڑے ٹولے کے لاکھوں درندے فوجی جوان چیکوسلواکیہ میں گھس گئے اور ایک بار پھر چیکوسلواکیہ پر وحشیانہ فسطائیت مسلط کر دی، چیکوسلواکیہ میں ایک بار پھر ظلمتوں نے ڈیرے جما لئے، ایک بار پھر درندگی کے جبڑے چیک عوام کے گرم و تازہ لہو سے تر ہو گئے، ایک بار پھر چیک عوام غلام ہو گئے،

پولیس کی بربریت

لیکن چیک عوام شاندار انقلابی تاریخی روایات کے بھی وارث ہیں، انھوں نے روسی ترمیم پسند سوشل سامراجیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، کسی قسم کی قربانی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، اُن کی وحشیانہ قوت کو نظر میں نہ لاتے ہوئے روسی ترمیم پسند جارح فوجوں کو اپنی پاک زمین کی سرحدوں سے باہر نکالنے کے لئے انتہائی مجاہدانہ اور سرفروشانہ ناقابلِ شکست جدوجہد شروع کر رکھی ہے،...... وہ اس خونخوار دشمن سے خوفزدہ نہیں ہوئے ہیں...

پچھلے سال یکم اگست کو جب روسی ترمیم پسند مسلح فوجوں نے حملہ کیا تو پراگ، براٹسلاوہ اور دوسرے شہروں میں لاکھوں مزدور، کسان اور طالبعلم ان کی سنگینوں، بندوقوں اور ٹینکوں کے مقابلہ میں بہادری سے ڈٹ گئے، انھوں نے انتہائی ثابت قدمی سے روسی ترمیم پسندوں کی مسلح جارحیت کا مقابلہ کیا،

پچھلے سال اکتوبر میں انھوں نے روسی ترمیم پسندوں کے گھڑے ہوئے لمبے عرصہ تک چیکوسلواکیہ پر قبضہ جاری رکھنے کے معاہدے کے خلاف وسیع پیمانے پر جدوجہد شروع کی

اس سال جنوری میں پراگ کی چارلس یونیورسٹی کے ایک طالبعلم جان پلاخ نے چیکوسلواکیہ پر روسی ترمیم پسندوں کے فوجی قبضہ کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے خود کو جلا کر جان دے دی، جس کی وجہ سے پوری چک قوم اس ناجائز قبضے کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی،

طلبہ پولیس پر پتھراؤ کر رہے ہیں

مارچ کے مہینہ میں روسی ترمیم پسند قابض افواج کے خلاف نفرت کی آگ میں جلتے ہوئے چک عوام نے ان کے خلاف ایک اور طوفانی جدوجہد شروع کردی،

آج کل روسی ترمیم پسندوں کے اشارے پر چیکوسلواکیہ کے ترمیم پسند ٹولے کے سخت وحشیانہ اقدامات کے باوجود روسی ترمیم پسند سوشل سامراجیوں کے خلاف چک عوام کی جدوجہد روز بروز شدت اختیار کرتی جارہی ہے،

روسی ترمیم پسند فسطائیت کے خلاف انھوں نے مندرجۂ ذیل مجاہدانہ نعرے وضع کئے ہیں:۔

"ہم آزادی چاہتے ہیں، روسی غلامی نہیں چاہتے!"
"تمہارے ساتھ ٹینک ہیں ہمارے ساتھ حق ہے!"
"ہم گھٹنے نہیں ٹیکیں گے!"

ان نعروں سے "نئے زاروں" کے خلاف چک عوام کی مزاحمت کے جذبہ کا پورا اظہار ہوتا ہے۔

روسی ترمیم پسند سوشل سامراجیوں کی مخالفت کرتے ہوئے چک عوام نے صرف ہڑتالیں، احتجاجی جلسے ہی نہیں کئے، اور جلوس ہی نہیں نکالے بلکہ ان کے رجعت پسند تشدد کے خلاف انقلابی تشدد کی حکمت عملی پر چلتے ہوئے ان پر آہنی چوٹیں لگائی ہیں

مارچ میں "ٹینک ہمارا راستہ نہیں روک سکتے" "روسیوں پر سخت چوٹیں لگاؤ" اور اسی قسم کے دوسرے انقلابی نعروں کے مجاہدانہ جذبے سے سرشار چک مظاہرین نے پراگ میں روسی ترمیم پسندوں کی ہوائی کمپنی ایروفلوٹ کے دفتر کو تباہ کردیا، اور اس کے ریکارڈ اور فرنیچر کو سڑک پر ڈال کر آگ لگادی

اسی کے ساتھ ساتھ بہت سی جگہوں پر مظاہرین نے روسی ترمیم پسند قابض فوجوں کے ہیڈ کوارٹروں، کمانڈ بیرکوں، فوجی گاڑیوں اور فوجی ہسپتالوں پر حملے کئے۔

اس کے علاوہ سکولاؤ کے علاقہ میں چک سپاہیوں کے ساتھ ایک جھڑپ میں تیس سے زیادہ روسی ترمیم پسند قابض فوجی ہلاک ہوگئے!

چک عوام نے روسی ترمیم پسند قابض فوجوں کے خلاف جدوجہد کی جن مختلف صورتوں پر عمل کیا ہے وہ ایک دوسرے سے مربوط تھیں اور انھوں نے ایک دوسرے کو ترقی دی، اس کی وجہ سے دانشوروں، محنت کشوں، کسانوں اور فوجی سپاہیوں کی عظیم اکثریت ہوگئی کہ اس نے روسی ترمیم پسند سوشل سامراجیوں کے خلاف آہستہ آہستہ وسیع بنیادوں پر ایک متحدہ محاذ بنالیا، جس سے اُن کی اس جدوجہد کی وسعت اور گہرائی بڑھی،

جہاں پر بھی تشدد ہوتا ہے وہاں پر مزاحمت ہوتی ہے، روسی ترمیم پسند بھگوڑے ٹولے اور چک عوام کے تضادات ناقابلِ حل ہیں، جبتک روسی ترمیم پسند جارح فوجیں چیکوسلواکیہ پر قابض رہیں گی چک عوام کی جدوجہد شدت سے جاری رہے گی،

روسی ترمیم پسندوں کی جارحیت کو ایک سال گزر جانے کے بعد روسی ترمیم پسند بھگوڑا ٹولہ اور چیکوسلواکیہ کا ترمیم پسند ٹولہ دونوں اس خطرے سے خوفزدہ ہیں کہ چک عوام روسی ترمیم پسند نئے زاروں کے خلاف جدوجہد کا نیا طوفان کھڑا کردیں گے، اس لئے وہ چک عوام کو کچلنے کے لئے نت نئی مجرمانہ سازشیں کررہے ہیں، لیکن روسی اور چیکوسلواکی ترمیم پسند بھگوڑے ٹولے جتنی چالیں ان کا دل چاہے چل لیں، وہ قومی آزادی اور مادرِ وطن کی حرمت کے لئے چک عوام کی جدوجہد کو روک نہیں سکتے،

گذشتہ سال کے حقائق نے یہ واضح کردیا ہے کہ چیکوسلواکیہ پر قبضہ کرکے روسی ترمیم پسندوں نے اپنی گردن پھندے میں پھنسا دی ہے۔ اور چیک عوام اپنی جدوجہد سے اس پھندے کو کستے چلے جائیں گے، دیکھنے میں طاقتور لیکن اندر سے پھسپھسا روسی ترمیم پسند سوشل سامراج صرف کاغذی شیر ہے۔ وہ چیک عوام کے ہاتھوں سخت ترین سزا سے نہیں بچ سکتا

ہم نے ہٹلر کو مار بھگایا ہے۔ ہم برزنیف کو بھی مار بھگائیں گے

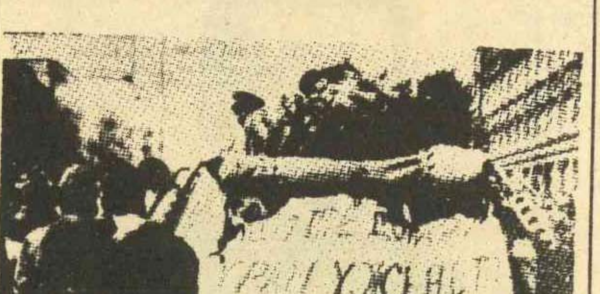

چک عوام روسی ترمیم پسند سوشل سامراجیوں کے چیکوسلواکیہ کے قبضے کی سختی سے مخالفت کررہے ہیں۔ تصویر میں ایک ٹینک دکھایا گیا ہے، جس پر یہ نعرہ لکھا ہوا ہے کہ "واپس جاؤ، اب اور زیادہ یورنیم نہیں ہے"

یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگر وہ اپنی کوششیں جاری رکھیں گے اور جدوجہد کرتے رہیں گے تو چک عوام جو تابناک انقلابی روایات رکھتے ہیں اور جنہیں دنیا بھر کے عوام کی ہمدردیاں حاصل ہیں اپنے اس مجاہدانہ عزم کو پورا کرلیں گے کل۔

ہم نے ہٹلر کو مار بھگایا تھا ہم برزنیف کو بھی مار بھگائینگے

برطانوی حکمران ٹولہ شمالی آئیرلینڈ کے عوام کی تحریکِ جمہوریت سے خوفزدہ ہے

شمالی آئرلینڈ برطانیہ کا سب سے زیادہ غربت زدہ علاقہ ہے، برطانوی حکمران حلقے یہاں عرصہ سے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل کر رہے ہیں اس طرح سے وہ مختلف مذہبی گروہوں میں منافرت پھیلا کر آئرلینڈ کے عوام کا مذہبی اور قومی استحصال کرتے رہے ہیں؛ اس کے نتیجہ میں عوام میں سخت بےچینی پھیلی ہوئی ہے؛ پچھلے موسمِ خزاں سے شمالی آئرلینڈ کے عوام اس تشدد اور استحصال کے خلاف بار بار زبردست مظاہرے کر چکے ہیں۔

جمہوری حقوق کے لئے شمالی آئرلینڈ کے عوام کی جد و جہد تیزی سے بڑھ رہی ہے، اس جد و جہد نے ایک درجن سے زیادہ شہروں — جن میں دارالخلافہ بلفاسٹ اور دوسرے بڑے شہروں لنڈن ڈیری وغیرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، نڈر اور بہادر مظاہرین نے سر سے پیر تک مسلح پولیس کا جرأتمندی سے مقابلہ کیا،

بلفاسٹ میں طالب علم پولیس پر پتھراؤ کر رہے ہیں

۲؍ سے ۵؍ اگست تک بلفاسٹ میں ہزاروں آدمیوں نے چار دن تک پولیس کا زبردست مقابلہ کیا، انھوں نے اس جد و جہد میں سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کیں اور ہاتھ کے بنائے ہوئے پٹرول کے بم استعمال کئے، شہر کی بہت سی دکانیں اور بلڈنگیں دھوئیں میں چھپ گئیں، اس کے ساتھ ہی ساتھ قومی براڈکاسٹنگ اور ٹیلیویژن اسٹیشن کو سخت نقصان پہنچا۔

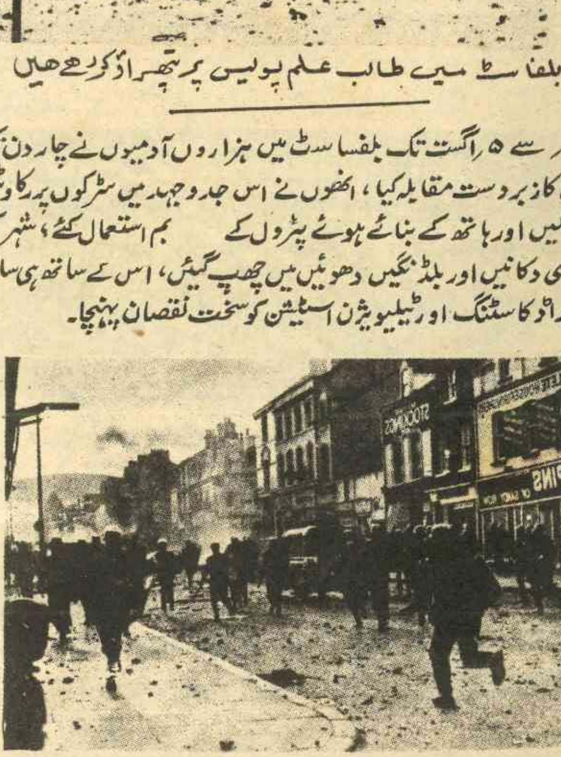

۱۲؍ اگست کو لنڈن ڈیری میں عوام نے پرعزم جد و جہد شروع کی، پولیس اور مظاہرین کی جھڑپوں میں دو سو سے زیادہ آدمی زخمی ہو گئے، اس سے عوام میں برطانوی حکمرانوں کے خلاف اور زیادہ نفرت پھیل گئی؛ انھوں نے دس گھنٹہ تک پولیس کا زبردست مقابلہ کیا، شہر کے اہم تجارتی مرکز کو نذرِ آتش کر دیا گیا، جس سے اجارہ دار سرمایہ کو شدید نقصان اٹھانا پڑا، یہ جھڑپیں دو دن تک جاری رہیں اور اس کے دوران پولیس بار بار بھاگ کھڑی ہوئی

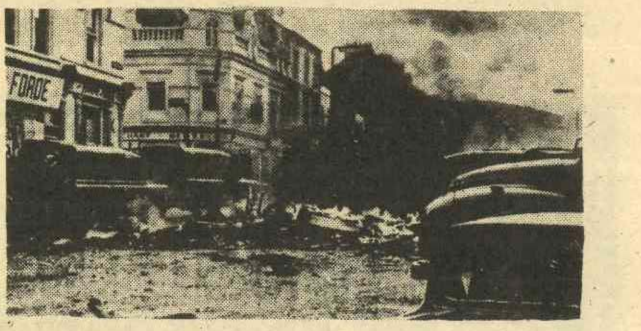

آزادی کی راہ آگ اور خون کے دریا سے گزرتی ہے

اس صورتِ حال سے نبٹنے کے لئے چھ سو مسلح فوجی جوان پولیس کی مدد کو بھیجے گئے جنہیں آرمرڈ کاروں اور فضائیہ کے ہوائی جہازوں کا تحفظ حاصل تھا

بلفاسٹ میں ۱۴؍ اگست کی شام سے دوسرے دن صبح تک پندرہ ہزار مظاہرین اور فوج اور پولیس میں جھڑپیں ہوتی رہیں، مظاہرین نے ٹوٹی اور جلی ہوئی کاروں اور گاڑیوں کو ۳۰-۴۰ فٹ اونچی رکاوٹیں تیار کرنے میں استعمال کیا؛ برطانوی راج کے خلاف مظاہرین نے بلڈنگوں پر قبضہ کر کے فوج اور پولیس پر مشین گنوں سے فائرنگ کی اور پٹرول کے بم برسائے، ایک رات کی جنگ کے بعد پورا بلفاسٹ آگ اور دھوئیں کی لپیٹ میں آ گیا،

برطانیہ کی ۲۱ سالہ رکنِ پارلیمنٹ برناڈیٹ پولیس پر پتھر پھینک رہی ہے

برطانوی حکمران ٹولہ شمالی آئرلینڈ کے عوام کی جد و جہد سے سخت خوفزدہ تھا، ۳؍ اگست کو عوامی جد و جہد کے خلاف منصوبہ تیار کرنے کے لئے آئرلینڈ کی

کابینہ کا اجلاس ہوا، دوسرے دن السٹر گورنمنٹ نے تمام جلسوں اور مظاہروں پر پابندی لگادی،

۱۴ اگست کو شمالی آئرلینڈ میں پہلے ہی سے موجود ۳۰۰۰ برطانوی فوجیوں کے علاوہ مزید ۱۲۰۰ فوجی جوان بلفاسٹ بھیجے گئے، اس کے ساتھ ہی ساتھ برطانوی وزیر اعظم مسٹر ولسن جو چھٹی پر تھے، قبل از وقت اپنی چھٹی ختم کرکے لندن پہنچ گئے، تاکہ شمالی آئرلینڈ کے عوام کی اس قومی جد و جہد کو ختم کرنے کے لئے کوئی چال چل سکیں،

لیکن برطانوی حکمران حلقوں کے جابرانہ اقدامات اور عیارانہ ہتھکنڈوں نے شمالی آئرلینڈ کے عوام میں اور زیادہ نفرت پھیلا دی ہے۔

قرض میں جکڑے ہوئے روسی ترمیم پسند غدار ٹولے کے لئے اب حالات انتہائی ناساز ہو گئے ہیں

ماسکو کی ایک رپورٹ کے مطابق ترمیم پسند غدار ٹولے کی توسیع پسندی، اسلحہ کے پھیلاؤ اور جنگی تیاریوں کی سوشل سامراجی پالیسی کے نتیجہ میں سوویت یونین کی مالی حالت روز بروز دگرگوں ہوتی جارہی ہے۔ ایک طرف تو یہ ٹولہ اپنے اندرونی بھاری قرضے ادا نہیں کرپارہا ہے اور دوسری طرف بیرونی قرضوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اس سے یہ حقیقت کافی واضح ہوجاتی ہے کہ غداروں کا یہ ٹولہ سوویت عوام کا مصرف ہے اور اس نے ان کی زندگی کو انتہائی دشوار بنادیا ہے۔

دنیا پر روسی امریکی اقتدار کی وحشیانہ ہوس کو پورا کرنے کے لئے برزنیف اور اس کی ٹولی نے مجنونانہ طور پر اسلحہ پھیلایا ہے اور جنگی تیاریاں کی ہیں اور فوجی اخراجات میں اضافہ کیا ہے۔ اس سے سنگین مالی مشکلات پیدا ہوئی ہیں اور ملک کا بال بال قرضہ میں بندھ گیا ہے۔ روسی ترمیم پسند ٹولہ کے اعلان کئے ہوئے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۶۸ء تک صرف ریاستی بونڈز STATE BONDS ۳۲،۰۰۰ ملین روبل سے زائد تھے۔ خود روسی ترمیم پسندوں کو اس امر کا اعتراف کرنا پڑا ہے کہ ہر سال جو نئے قرضے حاصل کئے جاتے ہیں وہ پرانے قرضوں پر سود ادا کرنے کے لئے بھی ناکافی ہوتے ہیں اور اس طرح وہ "ایک جادوئی دلدل" میں دھنسے جارہے ہیں۔ اس سے اس مایوس کن صورت حال کا اندازہ ہوتا ہے جس میں کہ یہ غدار ٹولہ پھنس گیا ہے۔

ریاستی بونڈز STATE BONDS ایک اہم وسیلہ ہے جس کے ذریعہ روسی ترمیم پسند روسی عوام کی کھال اتارتے ہیں۔ ایک طرف تو روسی ترمیم پسند غداروں کا یہ ٹولہ مستقل اور اندھادھند طریقہ سے ریاستی بونڈز جاری کئے جارہا ہے اور دوسری طرف واجب الادا بانڈوں کی ادائیگی کو بار بار ملتوی کرتا رہتا ہے "وزراء کی کونسل" کے نام سے اس غدار ٹولہ نے انتہائی بے حیائی سے یہ فیصلہ کیا کہ ۱۹۵۸ء سے پہلے جاری کئے جانیوالے ریاستی بونڈز جو کہ روسی محنت کش عوام کے پاس ہیں ان کی ادائیگی ملتوی کردی جائے۔ انھوں نے اس "سرمایہ کی ادائیگی" کی تاریخ کو ۲۰ سال بعد تک ملتوی کردیا اور اعلان کیا کہ ۱۹۷۷ء سے شروع ہوکر یہ بانڈز ۲۰ سال میں قسط وار ادا کئے جائیں گے۔ اشیاء کی قیمتوں میں موجودہ اضافہ اور روبل کی قوت خرید میں کمی کے پیش نظر یہ بانڈ اپنی ادائیگی کے وقت بہت ہی کم قیمت کے رہ جائیں گے۔

اس مالی بحران پر قابو پانے کے لئے روسی ترمیم پسند غدار ٹولے نے تمام قسم کے ٹیکس اور محصول بھی لگادیئے ہیں جن میں اجرت ٹیکس اور مزدوروں اور ملازمین پر ایک الٹا ٹیکس بھی شامل ہے جس کا مقصد عوام کو نچوڑ کر کھوکھلا کردیتا ہے۔

روسی پریس نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ ۱۹۶۹ء میں ہر طرح کے بنکوں سے ہونے والی آمدنی ۱۱۵۰۰ ملین روبل ہوگی۔

بہرصورت نہ تو اندرونی قرضوں کی ادائیگی کو ملتوی کرکے اور نہ ٹیکسوں میں اضافہ کرکے بریزنیف اینڈ کمپنی مایوس کن مالی مصیبتوں سے چھٹکارا پاسکتی ہے اور توسیع اسلحہ اور جنگی تیاریوں کی ضرورت پوری کرسکتی ہے۔ نتیجہ کے طور پر روسی ترمیم پسند غدار ٹولہ نے اپنے ڈھٹائی کے ساتھ مختلف وسیلوں کے ذریعہ مغربی جرمنی، جاپان، برطانیہ اور اٹلی جیسے سرمایہ دار ممالک کی کمپنیوں اور بینکوں سے قرضوں کی بھیک مانگی ہے حتیٰ کہ اس نے اپنے قومی وقار اور روس کے قدرتی وسائل کا کھلم کھلا نیلام کردیا ہے اور بین الاقوامی اجارہ دار سرمایہ دار کو سوویت یونین میں فیکٹریاں قائم کرنے اور کانیں کھودنے کی اجازت دیدی۔ روسی پریس کی رپورٹوں میں بتایا گیا ہے کہ ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۸ء کے درمیان برزنیف اور ان کی ٹولی نے مغربی سرمایہ دار ممالک سے ۱،۵۰۰ ملین امریکی ڈالر کا قرضہ لیا ہے۔

روسی ترمیم پسند غدار ٹولہ نے سونے کے روسی ذخیرہ کی بڑی مقدار مغربی بازار میں پہنچادی ہے ۱۹۶۵ء میں ختم ہونے والے دس سالوں میں اس نے تقریباً ۳،۰۰۰ ملین امریکی ڈالر کی مالیت کا سونا فروخت کیا ہے۔

روسی ترمیم پسند ٹولہ کی مالی حالت میں یہ ابتری سوویت یونین میں اس کی سرمایہ داری کی بحالی کا لازمی نتیجہ ہے۔ جوں جوں برزنیف اور اس کے حواری سرمایہ داری کی بحالی کے راستہ پر پھسلتے جائیں گے توں توں ان کی مالی مشکلات یقیناً سنگین سے سنگین تر ہوتی جائیں گی۔ یہ روسی ترمیم پسند غداروں کے لئے ایک ناقابل حل مسئلہ ہے اور ایک پہلو سے روسی ترمیم پسند سوشل سامراج کی کاغذی حیثیت اور کمزور فطرت کو بے نقاب کرتا ہے۔

روسی ترمیم پسند ایک بار پھر امریکی سامراجیوں کو چین دشمن سرگرمیوں کے سلسلے میں اعتماد میں لے رہے ہیں

مغربی پریس اور خبر رساں ایجنسی کی رپورٹوں کے مطابق روسی ترمیم پسند غدار ٹولہ نے حال ہی میں امریکی سامراج اور مغربی جرمنی، جاپان اور دوسرے ملکوں کی رجعت پرست حکومتوں کو پھر سے چین روس سرحد پر اپنی مسلح جھڑپ سے تفصیل کے ساتھ مطلع کیا ہے تاکہ سامراجی بلاک کی جس کا سرغنہ امریکہ ہے۔ خوشنودی حاصل کرلے اور اپنی چین دشمن مہم میں اس کا قریبی تعاون اور حمایت حاصل کرلے۔

روسی ترمیم پسند غدار ٹولہ کا یہ ڈھیٹ رویہ اس کے ذلیل اور بے شرم غدارانہ کردار کو مزید ننگا کردیتا ہے۔

گذشتہ مارچ میں چین کے علاقہ جزیرہ دین پاؤ میں مسلح مداخلت کے بعد سے روسی ترمیم پسند غدار ٹولہ نے امریکی سامراج اور دوسرے

سامراجی ملکوں کی بہت خوشامد کی ہے کہ وہ چین کی مخالفت کو اور شدید کردیں۔ اس ٹولے نے اپنے ذلیل کردار کی ڈینگیں مار کر سامراجیوں سے انعام طلب کیا۔ دراصل سامراجیوں نے کھلم کھلا اس کی حمایت اور تعریف کی ہے۔ اس ٹولہ نے ۱۰ رجون کو روسی فوجیوں کو ہدایت کی کہ وہ چین کے سنکیانگ کے علاقہ میں مداخلت کریں اور خون خرابہ کا ایک نیا حادثہ تخلیق کریں۔ پھر جلدی سے اس نے سامراجی ممالک کو صورت حال سے باخبر کردیا۔

روسی ترمیم پسندوں کی چین کے سنکیانگ کے علاقہ میں مداخلت پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ نے ۱۲ رجون کو رپورٹ دی کہ روسی ترمیم پسندوں نے ”ہر طرح کے سفارتی طریقے اختیار کرکے اس بحران کو اپنے رنگ میں دوسری حکومتوں کے سامنے پیش کیا۔ روسی سفیروں نے واشنگٹن سے بون سے ٹوکیو تک مغربی حکومتوں سے ملاقات کرکے اس حادثہ کی تفصیل سے مطلع کیا۔“

واشنگٹن میں برطانوی اخبار ڈیلی ٹیلی گراف کے نامہ نگار نے ۲۳ رجون کو رپورٹ دی تھی کہ حال ہی میں روسی ترمیم پسند غدار ”چین سے سرحدی تنازعہ کی سنگین نوعیت سے واشنگٹن کو مطلع کرنے کے لئے حد سے زیادہ آگے بڑھ گئے۔“ انھوں نے پیکنگ کو بھیجا ہوا ایک انتہائی سخت الفاظ پر مشتمل مراسلہ امریکی حکومت کے حوالے کردیا اور امریکی سامراجیوں کو آگاہ کیا کہ ”کشیدگی صرف چند علاقوں تک محدود نہیں ہے بلکہ تمام سرحد پر یکساں پھیلی ہوئی ہے۔“

اس سے قبل مغربی جرمنی کے وزارت خارجہ کے ایک ترجمان نے انکشاف کیا کہ ۱۹ رجون کو مغربی جرمنی میں روسی سفیر السیس سارا پکن نے مغربی جرمنی کے وزیر خارجہ ولی برانڈٹ کو ”سنکیانگ میں چین روس سرحدی حادثات“ پر ایک بیان مغربی جرمن وزیر خارجہ ولی برانڈٹ کے حوالے کیا اور مغربی جرمن حکام سے ”مسئلہ پر تبادلۂ خیال“ کرنے کی درخواست کی۔ ترجمان نے مزید کہا کہ اس قسم کے بیانات امریکہ، جاپان اور دوسرے ممالک کی حکومتوں کو بھی دیئے گئے ہیں۔

امریکی اخبار کرسچین سائنس مانیٹر نے ۵ رجون کو واشنگٹن میں مصدقہ سفارتی ذرائع“ کے حوالہ سے یہ بتایا کہ روسی ترمیم پسند غدار ٹولہ نے ”واشنگٹن اور دوسرے مغربی دارالحکومتوں میں بہت باتیں بنائی ہیں“ اور ان سے کہا ہے کہ ”معاشرتی امور میں ایک ایٹمی جنگ کے امکان کے لئے تیار رہیں۔“

کریملن میں ان غداروں کی شدید چین دشمن فوجی اشتعال انگیزیوں نے ایک بار پھر امریکی سامراج کی خوشنودی حاصل کرلی ہے۔ ۱۱ رجون کو یعنی چین کے سنکیانگ علاقہ میں روسی ترمیم پسندوں کی مداخلت کے اگلے روز امریکی سیکرٹری آف اسٹیٹ ولیم راجرس نے امریکہ میں روسی سفیر اناتولی ڈوبری نن سے ملاقات کی اور بتایا کہ نکسن حکومت ”جنگی اسلحہ کی حد بندی“ کے معاملے پر آخر جولائی اور وسط اگست کے درمیان بات چیت کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ کیونکہ روسی ترمیم پسند غدار ٹولہ ہمیشہ سے ہی اس مسئلہ پر امریکی سامراج سے سودے بازی کرنے کا بڑا دلدادہ رہا ہے اس لئے امریکی سامراجی ”آقا“ کی اس ”عنایت“ نے ڈوبری نن کو احسان مندی سے معمور کردیا۔ امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے رخصت ہوتے وقت اس نے حیرت انگیز طریقہ سے امریکی رپورٹروں کو بتایا ”آخر کار مجھے گھر لے جانے کے لئے اچھی اطلاعات مل ہی گئیں۔“

اس وقت کچھ امریکی بورژوا اخبارات نے روسی ترمیم پسندوں کی شدید چین دشمن کارروائیوں کی بے پناہ تعریف کی۔ انھوں نے کھلم کھلا یہ کہا کہ ”پیکنگ اور ماسکو کے درمیان ایک جنگ امریکی مفادات کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہوسکتی ہے“ اور نتیجہ کے طور پر اگر روسی ترمیم پسندوں نے چین پر ”حملہ“ شروع کیا تو امریکہ میں بہت واہ واہ ہوگی۔“

روس میں آج کھانے والوں کی تعداد میں کمی کا مطلب کل روٹی کمانے والوں کی تعداد میں کمی ہے

آج روس میں پیدائش کی شرح زارشاہی کے زمانے سے بھی کم ہے۔ عظیم اکتوبر انقلاب سے پہلے شرح پیدائش ایک ہزار پر ۴۷ تھی، اور اب قومی پیمانے پر یہ شرح ۱۷ء۴ اور ماسکو اور لینن گراڈ جیسے بڑے شہروں میں ۱۱ تک گر گئی ہے۔ اور روس کے بہت سے علاقوں میں مصنوعی اسقاطِ حمل اور اموات کی شرح پیدائش کی شرح سے بھی بڑھ گئی ہے۔ اس کا سیدھا سادھا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ شرح پیدائش میں کمی محنت کرنے والوں کی تعداد میں کمی کا سبب بن جائیگی۔

” آج کھانے والوں کی تعداد میں کمی کا مطلب
کل روٹی کمانے والوں کی تعداد میں کمی ہے۔“

بھارت کو فرخا بند کی تعمیر سے روکو

پچھلے دنوں نئی دہلی میں سیکریٹریوں کی سطح پر جو مذاکرات ہوئے ہیں ان کے شواہد سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس گنگا کے پانی کا تنازعہ طے ہونا مشکل ہے۔ یہ بات ہر ذی فہم کی سمجھ میں آگئی ہے کہ ہندوستان گنگا کے پانی کے تصفیہ کے لئے اس وقت تک تیار نہیں ہوسکتا جب تک اس پر مؤثر بین الاقوامی دباؤ نہ پڑے۔ فرخابند کے تنازعے کی تاریخ ۱۹۵۱ء سے شروع ہوتی ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہندوستان ٹال مٹول کرکے کسی نہ کسی طرح فرخابند کے منصوبے کی تکمیل کرلینا چاہتا ہے۔

بین الاقوامی اصول وضوابط متقاضی ہیں کہ پاکستان کو پانی کا برابر حصہ ملنا چاہئے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو مشرقی پاکستان کے اندازاً سات اضلاع کی شادابی بنجر زمینوں کی نذر ہوجائے گی۔

ہندوستان نہایت ڈھٹائی سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ گنگا اس کی ملکیت ہے اور پاکستان اس میں سے تھوڑا بہت پانی بطور ”خیرات“ لے سکتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ دریا دنیا کے دیگر دریاؤں کی طرح بین الاقوامی دریا ہے گنگا پاکستان اور ہندوستان کی ۸۰ میل لمبی طویل سرحدوں میں حدِ فاصل کا کام دیتا ہے اور مشرقی پاکستان میں تقریباً ۸۰ میل بہتا ہوا گلندو کے مقام پر برہم پترا میں مدغم ہوجاتا ہے۔

فرخابند تعمیر ہوگیا تو مشرقی پاکستان کی زراعت بری طرح متاثر ہوگی اور گنگا کے پانی سے سیراب ہونے والے سات اضلاع کی زمینیں بنجر ہوکر رہ جائیں گی۔ پانی کا بہاؤ کم ہونے کی وجہ سے کشتیا تک کا علاقہ سیم وتھور کی نذر ہونے کا خطرہ لاحق ہے۔ علاوہ ازیں مچھلیوں کی صنعت اور جنگلات پر بھی فرخابند کی تعمیر کا بہت برا اثر پڑے گا۔ جنگلات پر فرخا کے اثرات کے بارے میں حال ہی میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلبا اساتذہ کے مرکز میں ایک سیمینار ہوا تھا جس میں یہ بات ابھر کر سامنے آئی تھی کہ فرخا بند کی تعمیر کے بعد ہمیں عام لکڑی اور عمارتی لکڑی کی دولت مہیا کرنے والا وسیع وعریض سندربن بھی کارآمد نہیں رہے گا۔

زراعت پر بھی فرخابند کی تعمیر کے اثرات بہت تباہ کن ہوں گے سیلاب

مشرقی پاکستان کے لئے آئے دن تباہی و بربادی لے کر آتے ہیں فرخا بند کی وجہ سے ہم ان کی روک تھام بھی پورے طور سے نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ گنگا بیراج کا منصوبہ اور اس کا ذیلی منصوبہ گنگا کوباڈک بھی فرخا بند کی تعمیر سے بری طرح متاثر ہوں گے۔ فرخا بند کی وجہ سے نہ صرف مندرجہ بالا منصوبے خطرے میں پڑ جائیں گے بلکہ گنگا کوباڈک علاقے کے کسان بھی اپنی روزی سے محروم ہو جائیں گے۔

ہندوستان یہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح گنگا کے پانی کی مقدار کم سے کم کر دے تاکہ پاکستان کی معیشت مفلوج ہو کر رہ جائے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ایم او غنی نے کہا ہے کہ فرخا بند کا مسئلہ بین الاقوامی مسئلہ ہی نہیں بلکہ عالم انسانیت کے لئے ایک چیلنج ہے۔ ہندوستان اپنی اس ہٹ دھرمی سے ایک بڑی آبادی کو قحط میں دھکیلنا چاہتا ہے۔ دوسری طرف وہ یہ بھی دعوٰی کرتا ہے کہ وہ اپنے ہمسایوں سے دشمنی نہیں رکھنا چاہتا۔ ہندوستان کو چاہیئے کہ وہ اپنے قول سے عمل کو منسلک کرے لیکن اس کے برعکس وہ مسلسل ہٹ دھرمی اور بین الاقوامی اصولوں کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

——— اگر ہندوستان اپنے موجودہ طرز عمل کو نہ بدلے، جو ظاہر ہے کہ نہیں بدلے گا، تو پاکستان کا فرض ہے کہ وہ اپنے وجود کو باقی رکھنے کے لئے میدان عمل میں کود پڑے اور میدان عمل میں کودنے کے لئے فوری طور پر تیاریاں شروع کر دے۔

بھوک اور بیروزگاری کی نمائندہ چڑیلوں نے بھارتی عوام کو دبوچ رکھا ہے

بڑے جاگیرداروں اور بڑے سرمایہ داروں کی وحشیانہ حکومت کی عوام دشمن پالیسیوں کی وجہ سے بھارت میں زرعی پیداوار میں خطرناک حد تک کمی ہونے سے بہت سے صوبوں میں دیہاتی آبادی قحط اور فاقہ کشی کا شکار ہو گئی ہے۔ فیکٹریاں اور کارخانے یا تو بند ہو رہے ہیں یا اپنی صلاحیت سے کم مال تیار کر رہے ہیں جس کی وجہ سے بیروزگاری بہت زیادہ پھیل گئی ہے۔

بھارتی رجعت پسند اخبارات کے مہیا کئے ہوئے غلط اعداد و شمار کے مطابق بھی بھارت کے سولہ صوبوں میں سے نو صوبوں میں خطرناک قحط پھیل چکا ہے۔ پچانوے ہزار دیہاتوں میں ساڑھے پانچ کروڑ انسان بھوک اور ننگ کا شکار ہیں۔

راجستھان میں اٹھائیس ہزار دیہاتوں میں ایک کروڑ تیس لاکھ انسان بھوک اور فاقہ کشی میں مبتلا ہیں۔ مئی تک تینتیس ہزار آدمی فاقہ کشی سے مر چکے ہیں۔ بہار ضلع میں مئی میں ختم ہونے والے چھ ماہ کے عرصہ میں دس ہزار آدمی بھوک سے موت کے گھاٹ اتر گئے۔

ہریانہ کے دو ہزار دیہاتوں میں قحط پھیل چکا ہے جس سے دس لاکھ آدمی متاثر ہو رہے ہیں۔ گجرات میں آٹھ لاکھ اور بہار میں چھ لاکھ افراد کو پوری غذا نہیں پہونچ رہی۔ بھارتی محنت کش عوام کے خون پسینے سے تعمیر کئے ہوئے عظیم شہر کلکتہ میں جس کی کل آبادی پچھتر لاکھ ہے دس لاکھ آدمی بیروزگار اور ایک لاکھ آدمی بے گھر بے در پھر رہے ہیں

بھارتی صوبہ آندھرا پردیش کے ضلع تلنگانہ کو علیحدہ صوبہ بنانے کی تحریک کے دوران مظاہرین ٹیلی فون کا کھمبا توڑ کر گرا رہے ہیں (ان ف س)

پورے ملک میں بھوک اور بیماری پھیلی ہوئی ہے اور موت محنت کشوں کی بڑی اکثریت کا پیچھا کر رہی ہے۔

بھارت میں بیروزگاری پھیلنے کی رفتار بہت تیز ہے۔ سنہ ۱۹۵۱ء میں بیروزگاروں کی تعداد تیس لاکھ تھی" دوسرے پانچ سالہ منصوبہ" کے بعد ستر لاکھ ہو گئی تھی اور اس کے بعد مارچ سنہ ۱۹۶۶ء میں "تیسرے پانچ سالہ منصوبے" کے بعد یہ تعداد ایک کروڑ تیس لاکھ ہو گئی۔ یہ واضح رہے کہ ایک کروڑ ساٹھ لاکھ نیم بے روزگار اس تعداد میں شامل نہیں ہیں۔

معاشی خرابیوں کے بڑھنے کی وجہ سے فیکٹریوں اور کارخانوں کی بہت بڑی تعداد یا تو بند کر دی گئی ہے یا وہ اپنی صلاحیت سے کم پیداوار کر رہے ہیں۔

سنہ ۱۹۶۸ میں ۵۸۶ فیکٹریاں بند کر دی گئیں۔ ملک میں اسی ٹیکسٹائل ملوں کے بند ہونے کی وجہ سے ترانوے ہزار مزدور بیروزگار ہو گئے۔ اسی دوران فیکٹریوں کی بہت بڑی تعداد اپنی صلاحیت کی مناسبت سے صرف ساٹھ فیصد پیداوار کر رہی ہے۔

بھارت کے بیرونی قرضے بڑھتے چلے جا رہے ہیں سنہ ۱۹۶۸ء تک کے ترسٹھ ارب تین کروڑ روپیہ کے بیرونی قرضے میں سے سینتالیس ارب انتالیس کروڑ روپیہ کے قرضے کی ادائیگی بیرونی زرمبادلہ میں ہوگی۔

حقائق نے ثابت کر دیا ہے کہ بھارتی عوام کے تمام مصائب کی جڑ بڑے زمیندار، بڑے سرمایہ دار کی مطلق العنان حکمرانی ہے۔ لیکن بھارتی عوام کو تباہی اور غربت کے غاروں میں دھکیل کر بڑے زمیندار، بڑے سرمایہ دار دراصل عوام کی بیداری اور رجعت پسند حکومت کے خلاف ان کی مزاحمت بڑھانے میں لاشعوری طور پر مدد دے رہے ہیں۔

آندھرا پردیش کے سری کاکولا اور دوسرے علاقوں میں عوام کی مسلح جدوجہد بڑھ رہی ہے۔ یہاں عوام نے پچھلے سال مسلح جدوجہد کا آغاز کیا تھا۔ کسانوں کی مسلح جدوجہد کم از کم انیس اضلاع میں پھیل چکی ہے جس میں وشاکھاپٹنم، وارنگل، کھمم اور کرشنا کے ضلع شامل ہیں۔ ان تینوں میں عوام کسانوں کی مسلح فوج کی جوش و خروش سے حمایت کر رہے ہیں۔

مسلح کسان بڑے زمینداروں کے فارموں اور پولیس چوکیوں پر

بقیہ صفحہ [illegible] پر

تاریخ کو نہیں جھٹلایا جاسکتا

حقیقت کے ان آئینوں میں اندرونی اور بیرونی وطن دشمنوں کو پہچان لیجئے۔ کہنے کو تو امریکہ اور روس دونوں اپنے آپ کو ایک دوسرے کا جانی دشمن کہتے ہیں۔ لیکن عظیم عوامی اُبھار کے موضوع پر یہ دونوں ایک ہی ے میں لہک رہے ہیں اور ان کے یہ گمراہ کن تبصرے اندرون ملک بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے والوں کو ننگا کرنیکے لئے کافی ہیں (ادارہ)

دو آئینے

ایک امریکی

ایک روسی

ماخوذ از اخبار ہفت روزہ "نیو ٹائمز" ماسکو۔ روس۔ مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۶۹ء۔

پاکستان کیوں اور کس لئے؟

پچھلے کچھ ماہ میں رونما ہونے والے واقعات نے دنیا کے مختلف ممالک کی توجہ پاکستان کی ترقی اور اُس کے سماجی مسائل کی جانب مبذول کرائی ہے۔

پاکستانی عوام نے آزادی کے بعد تیزی سے اُس خلار کو پُر کرنے کی کوشش کی۔ جو دو سو سالہ غلامی کے دور میں ان کی زندگی میں پیدا ہو گیا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے جدید صنعتیں مثلاً کپاس۔ پارچہ بافی۔ کاغذ۔ سیمنٹ وغیرہ قائم کی گئیں۔ قومی آمدنی میں اضافہ ہوا۔ جس کی شرح تقریباً پانچ فیصد ہے۔ حال ہی میں بھاری صنعتی ادارے جن میں لوہے۔ فولاد اور کیمیائی ادارے شامل ہیں۔ قائم کئے گئے۔ زرعی لحاظ سے بھی ملک ترقی کر رہا ہے چاول اور گیہوں کی شرح پیداوار میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ پیداوار پچھلے آٹھ سالوں میں ۱۲.۳ ملین ٹن سے بڑھ کر ۱۸.۰ ملین ٹن ہو گئی۔

نئی یونیورسٹیاں۔ تحقیقی ادارے اور سینکڑوں کی تعداد میں اسکول کھول دیئے گئے۔ جن سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد میں دس گنا کا اضافہ ہوا ہے۔

زرعی اصلاحات نے بہت حد تک جاگیردارانہ نظام پر ضرب لگائی ہے اور مایہ کاری کے اداروں کو فروغ حاصل ہوا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ پاکستان میں سرمایہ داری کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ نے بہت سے تضادات اور مسائل بھی پیدا کئے ہیں۔ ملک کے سماجی اور معاشی ڈھانچے میں اب بھی مختلف پیداواری طریقے رائج ہیں۔ بڑے جاگیرداروں کی وجہ سے چھوٹے پیمانے پر کاشت کاری مشکل ہو گئی ہے۔ نچلی سطح پر سرمایہ دارانہ پیداواری رشتے رائج ہو رہے ہیں۔ اسی وجہ سے سماجی زندگی کے اہم شعبے میں پیداوار نہیں بڑھ رہی ہے۔

اپنے معاشی منصوبوں کو پورا کرنے کے لئے پاکستان کو بیرونی امداد پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ پچھلے چند سالوں میں ملک کی اڑتالیس فیصد درآمدات بیرونی قرض ادا کرنے میں تلف ہو گئیں۔

پاکستان اپنی ترقی کے باوجود اس قابل نہیں ہوا ہے کہ وہ اپنے تمام باصلاحیت لوگوں کو ملازمت فراہم کر سکے۔ زرعی آبادی اور اُس کے متعلقہ لوگوں کی بیروزگاری کی شرح میں اضافہ ہو رہا ہے۔

باقی صہ ۲۰ کالم ایک پر

پاکستان کے حالات کے بارے میں ٹائمز کا تبصرہ ماخوذ ہفت روزہ اخبار ٹائمز مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۶۹ء

پیغمبرِ تشدّد

گھنی داڑھی سے بھرا ہوا اس کا چہرہ دوسری دنیا کے سکون کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ ایی تواسی کے ساتھ مشرقی پاکستان کے شمالی حصّہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ڈھاکہ سے ساٹھ میل دور کھیل رہا تھا۔ یہ عبدالحمید خاں بھاشانی ہے۔ اس کی عمر چھیاسی سال ہے۔ شکل و صورت میں وہ مسلمانوں کا مولانا یا گرُد نظر آتا ہے۔ اور سینکڑوں بنگالی کسانوں کے لئے درحقیقت یہ ایسا ہی ہے۔ لیکن یہ مشفق دادا پاکستان میں تشدد کا سب سے بڑا مبلّغ ہے۔

بھاشانی وہ واحد آدمی ہے۔ جس نے پچھلے مہینوں میں ہونے والی لوٹ مار کو ہوا دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صدر ایوب کو صدارت چھوڑنی پڑی۔ اب بھاشانی جغرافیائی طور پر منقسم آفت زدہ علاقہ میں مارشل لا کے پیدا کردہ امن کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔

سخت سزاؤں کی وجہ سے پاکستان کے تمام سیاستداں جن میں بھاشانی کے سب سے بڑے سیاسی حریف اعتدال پسند شیخ مجیب الرحمٰن بھی شامل ہیں۔ سب کے سب خاموش ہیں۔ لیکن اس وقت بھی بھاشانی کی بانس کی جھونپڑی میں اُس کے معتقدین اور اخباری نمائندوں کا تانتا بندھا رہتا ہے "مجھے کیوں ڈرنا چاہئے" اس نے ٹائمز کے مبصر "ڈین کوگن" سے دریافت کیا۔ تنکوں کی بنی ہوئی زرہ ٹوپی اور اپنے ہرے سوئٹر کو جسے کہ اُس نے نیچے پہن رکھا تھا۔ ٹھیک کرتے ہوئے کہا "میں اپنے عوام کے لئے پھانسی پر لٹکائے جانے کو خوش آمدید کہوں گا"

علیحدگی پسندی کے رجحانات

اس قسم کے ہنگامہ خیز تاثرات یحییٰ خان کے نقطۂ نظر کے خلاف ہیں۔ جنہوں نے حال ہی میں کمانڈر انچیف ہونے کی حیثیت سے صدر کا عہدہ سنبھالا ہے اپنی پہلی پریس کانفرنس میں جو کہ پچھلے دنوں ہوئی اس بات کا واضح اعلان کر دیا کہ وہ امن کو ہر حال میں قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اس بات کا بھی اعلان کیا کہ آئینی حکومت قائم کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔

مگر بھاشانی نے اِس بات کا نوٹس دے دیا کہ اگر صدر نے ان سمیت تمام سیاست دانوں سے ملک کے حالات سدھارنے کے سلسلے میں گفتگو

باقی صہ ۲۰ کالم ۲ پر

روسی آئینہ ص ۱۹ کالم ایک سے آگے

لاکھوں بے زمین کسان ایک دوسرے سے مل کر کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ اور زمین پر قبضہ رکھنے کی مروجہ شکل ہے۔ غریب اور درمیانہ درجہ کے کسان روز بروز سود خوروں۔ تاجروں اور امیر زمین داروں کے مقروض ہوتے جا رہے ہیں۔

لوگوں کا معیار زندگی اب بھی بہت کم تر ہے۔ جیسا کہ تیسرے پنجسالہ منصوبہ میں کہا گیا ہے۔ پاکستان کے صنعتی مزدوروں کو دنیا کے دوسرے ممالک کی نسبت سے کم اجرت دی جاتی ہے۔ اور اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ حقیقی اجرت اور کم ہو رہی ہے۔ دانشوروں کی اکثریت اور نچلے درجے کے شہری ملازمین کسمپرسی کی زندگی گذار رہے ہیں۔

ریاستی اداروں نے نجی اداروں کی نسبت بہتر کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے وہ صنعتیں جو کہ حکومت نے قائم کی تھیں۔ یا تو فروخت کر دی گئیں۔ یا نجی مالکوں کے سپرد کر دی گئیں۔ بڑے بورژوا طبقے اور درجنوں اجارہ دار تجارتی اداروں اور صنعتوں نے جنم لیا۔ اور ملک کے کلیدی بنکوں اور انشورنس کمپنیوں پر اپنا قبضہ جما لیا۔

اور ان تمام پر ان مسلمان تاجروں کا قبضہ ہے۔ جو کہ سنہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے مغرب اور شمال سے آ کر پاکستان میں آباد ہوئے۔ یا پھر پنجاب کے کچھ دولت مند خاندانوں کا قبضہ ہے۔

پاکستان کی تمام منڈی میں پرورش پلنے والونکی ان اجارہ داریوں کو ان چھوٹے اور درمیانہ بورژوا سے جو کہ سابق بنگال، سابق پنجاب، سابق سندھ اور سابق سرحد کے قومی علاقوں کی مارکیٹ میں موجود ہیں۔ ایک خطرہ لاحق ہے۔

نوآبادیاتی دور میں۔ وہ مختلف علاقے جو کہ اب پاکستان میں ہیں سماجی اور معاشی لحاظ سے ایک جیسے نہیں تھے۔ مغربی پنجاب اور کراچی دوسرے علاقوں کی نسبت ترقی یافتہ تھے۔ اور اس وقت بھی یہی "دو" علاقے سابق بنگال، سابق سندھ، سابق سرحد اور سابق بلوچستان سے زیادہ ترقی پذیر ہیں۔

اور انہی تکالیف اور رقابتوں نے سیاسی کشمکش کو جنم دیا ہے۔ جس کی وجہ سے حزب اختلاف نے زیادہ شدت اختیار کی۔

ہڑتالیں بڑھ رہی ہیں۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق سنہ ۱۹۶۳ء میں اٹھارہ لاکھ اٹھاسی ہزار انسانی دن ضائع ہو گئے۔ جبکہ سنہ ۱۹۶۰ء میں ان دنوں کی تعداد ستر ہزار تھی۔

اور اس کے بعد کے سالوں میں تحریک نے زیادہ سنگین صورت اختیار کی۔ اور قومی سطح پر اساتذہ۔ بنک کے ملازمین اور دفتروں میں کام کرنے والوں نے ہڑتالوں کا سلسلہ شروع کیا۔

اس کشیدگی کو جنم دینے والی ایک اہم وجہ طالب علموں۔ دانشوروں اور نچلے اور درمیانہ بورژوا طبقہ کی غیر تسلی بخش حالت تھی۔ جو کہ سنہ ۱۹۶۲ء کے صدارتی آئین کی پیدا کردہ تھی۔ جس کی رو سے صدر کو تمام کے تمام اختیارات سونپ دیئے گئے تھے۔ اور انتخابات کے براہ راست طریقہ کو ختم کر دیا گیا تھا۔ آبادی کے ایک بہت ہی چھوٹے حصے کو انتخابی ادارے کے اختیارات سپرد کئے گئے تھے۔ سنہ ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخابات میں ۱۱ کروڑ کی آبادی میں سے صرف اسی ہزار کو ووٹ ڈالنے کا حق دیا گیا۔

پچھلے سال کے آخر اور موجودہ سال کی ابتدا میں پورے ملک میں ہڑتالوں اور جلسوں کی ایک زبردست لہر اٹھی۔ پولیس اور فوج سے عوامی تصادم دیکھنے میں آئے۔ جس سے کئی جانیں ضائع ہوئیں۔

مشترکہ مطالبات ہیں۔ ہنگامی حالت کو ختم کرنیکا مطالبہ شامل تھا جو کہ سنہ ۶۵ء میں پاکستان بھارت جنگ کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ پارلیمانی نظام جو کہ سنہ ۵۸ء میں رائج تھا۔ اس کی بحالی اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ بھی معقول تھا

باقی ص ۲۱ کالم ایک پر

امریکی آئینہ ص ۱۹ کالم ۲ سے آگے

نہیں کی تو وہ نئی مشکلات پیدا کر سکتے ہیں۔ بھاشانی مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسندی کے رجحانات کو ہوا دے رہے ہیں۔ انہوں نے خوشحال مغربی پاکستان کے مشرقی پاکستان پر تسلط کے خلاف بھی آواز اٹھائی ہے۔ اور مطالبہ کیا ہے کہ موجودہ حکومت کو پرانے غیر مساوی حالات ختم کرنا چاہئیں۔ ورنہ وہ کہتے ہیں "جو کام لوگوں نے ایوب خاں کے خلاف کیا وہی کام یحیٰی خاں کے خلاف بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ صورت حال اس سے زیادہ سنگین ہو گی"

"کیا پاکستان کے عوام فوج کے خلاف بغاوت کر دیں گے ——! کیا فوج کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ پاکستان کے ساڑھے بارہ کروڑ عوام کو گولی مار دے ——؟" بھاشانی نے ناراضگی سے کہا "کیا شمالی ویت نام کے لوگوں نے لڑنا بند کر دیا ہے ——؟ ہم ان ہی کی طرح جنوبی ایشیا کے رہنے والے ہیں۔ جن کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ عوام کسی طرح نہیں رک سکتے۔

زندہ پیر

درحقیقت بھاشانی کی وضاحت کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ابھی تک پاکستانی عوام نے فوج سے مقابلہ شروع نہیں کیا ہے۔ مشرقی پاکستان میں بھاشانی کا اپنا اثر صرف کسانوں تک ہے۔ لیکن ملک کی تین یا چار کروڑ کی نوجوان نسل ایسی ہے جو کہ اسے زندہ پیر سمجھتی ہے۔ پچھلے ساٹھ سالوں میں اس نے غریب کسانوں کی حمایت کر کے اپنے پیروکار پیدا کئے ہیں۔ اس نے پہلے انگریز راج اور پھر بڑے جاگیرداروں کے خلاف جدوجہد کی۔ وہ گاؤں گاؤں جا کر مذہب اور سیاست کا ملا جلا پرچار کرتا ہے۔ جسے وہ "اسلامی سوشلزم" کہتا ہے۔

مسلمانوں کے دوسرے علماء کا یہ خیال ہے کہ اسلام اور بھاشانی مارکہ سوشلزم ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ نکتہ چیں اس پر یہ بھی الزام لگاتے ہیں کہ وہ علیحدگی پسند رجحانات سے صرف اس وجہ سے چمٹا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آزاد مشرقی پاکستان اتنا کمزور ہوگا کہ لامحالہ اس کو چین یا پڑوسی مغربی بنگال کی ہندوستانی ریاست کا اثر قبول کرنا ہوگا جو کہ کمیونسٹ حکومت ہے۔ بھاشانی گو کہ خود کمیونسٹ نہیں ہے۔ مگر بنیادی طور پر بائیں بازو سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کے پیکنگ سے بہت ہی نجی اور سیاسی تعلقات ہیں۔

بحیثیت ایک عالم بھاشانی نے اسلام کے قضاؤ قدر کے عقیدے کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ وہ کہتا ہے "میرا مذہب انقلابی ہے۔ اور میں ایک مذہبی آدمی ہوں۔ اس لئے یہ میرا مذہب ہے کہ میں باطل کے خلاف آواز اٹھاؤں۔ قرآن خود مظلوم انسانوں کی حمایت کی تلقین کرتا ہے" اس کے نقطۂ نظر کے مطابق موجودہ صورت حال کافی خراب ہے۔ چنانچہ اس کے عقیدہ کے مطابق تبدیلیاں لائی جانی چاہئیں چین کا حامی ہونے کے سلسلے میں وہ کوئی معذرت نہیں چاہتا۔ چنانچہ سنہ ۵۲ء میں پیکنگ میں اپنی پہلی ملاقات کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ "میں چین کی ہر چیز کی تعریف کرتا ہوں۔ سوائے اس بات کے کہ لوگ یہاں خدا کو نہیں مانتے۔"

چینی تحفّظ

آج سے دس سال قبل جب ایوب خاں نے اقتدار سنبھالا بھاشانی وہ واحد غیر سرکاری ذریعہ تھا۔ جس کی وجہ سے کہ پیکنگ اور پاکستان کے تعلقات استوار ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام سیاست داں ماسوائے بھاشانی فوجی حکومت پر تنقید کے سلسلے میں جیلوں میں بند کر دیئے گئے۔

روسی آئینہ صہ ۲ کالم ایک سے آگے

ان مطالبات کو آگے بڑھانے والے صرف بائیں بازو کے لوگ نہیں تھے بلکہ ان میں دائیں بازو کی حزب اختلاف بھی تھی۔ جس کے اپنے طبقاتی مفادات وابستہ تھے۔

مزدوروں نے بہتر شرائطِ ملازمت اور اجرت کا مطالبہ کیا۔

کسانوں نے زرعی اصلاحات کے لئے کچھ علاقوں میں آواز اٹھائی۔

طالب علموں نے فیسوں میں کمی اور تعلیم کو عام کرنے کا مطالبہ کیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ روزگار کی ضمانت چاہی۔ اور ان تمام بے چینیوں نے سیاسی کشیدگی کی شکل اختیار کی۔

اس طاقتور تحریک نے حکومت کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ فروری میں ہنگامی حالت کے خاتمے اور تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی کا اعلان کرے۔ ۲۱ فروری کو صدر ایوب نے اعلان کیا کہ وہ انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے۔ مارچ کے وسط میں حزب اختلاف سے گفت و شنید کے نتیجے میں انتظامیہ نے پارلیمانی نظام حکومت بحال کرنے اور لوگوں کو براہ راست ووٹ دینے کے حق کا اعلان کیا۔

اُسی دوران کچھ اداروں کے مزدور اپنی اجرت بڑھوانے اور اجتماعی معاہدہ پر دوبارہ گفتگو کرنے میں کامیاب ہوئے۔ حکومت اور مالکوں کی جانب سے یہ رعایت درحقیقت مزدوروں کی اجتماعی کامیابی کی دلیل تھی۔

لیکن سیاسی جدوجہد جاری رہی۔ کچھ لوگ ملک کے انتظامی علاقوں کے لئے زیادہ حقوق کا مطالبہ کر رہے تھے۔

مشرقی پاکستان کے حزب اختلاف کے چند گروپ علاقائی خود مختاری چاہتے تھے۔ جن کا کہنا تھا کہ صرف وزارت خارجہ۔ دفاع اور مالیات مرکز کے پاس رہنے چاہئیں۔ انتہا پسند۔ چین نواز عنصر کچھ بیرونی مبصر لکھتے ہیں۔ اتنا آگے بڑھ گئے کہ اُس نے "مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا مطالبہ کر دیا۔ مغربی پاکستان کے انتظامی ڈھانچے کو دوبارہ منظم کرنے کا بھی مطالبہ کیا گیا۔ اور موجودہ ایک صوبہ کو ختم کر کے لسانی بنیاد پر چار صوبوں کا الحاق قائم کرنے کی بات کی گئی۔ درحقیقت اِس کا مقصد یہ ہے کہ ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔

ٹھیٹھ دائیں بازو اور انتہا پسند (چین نواز) سیاسی عدم استحکام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک میں سرمایہ دارانہ نظام قائم کرنا چاہتے تھے۔

سماجی ناہمواری کو نسلی جذبات بھڑکانے کے لئے استعمال کیا۔ اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے۔ انہوں نے مارچ میں تشدد۔ لوٹ مار اور غنڈہ گردی کی وارداتیں شروع کر دیں۔ مکانوں۔ دکانوں۔ حکومت کے اداروں اور صنعتی کارخانوں کو تباہ کیا جانے لگا۔ عوامی خون سے ہولی کھیلی جانے لگی۔ خاص طور سے بائیں بازو کی جمہوریت پسند تنظیموں کو نشانہ بنایا گیا۔ ملک کے کچھ صوبوں میں جرائم پیشہ افراد کو کھلی چھٹی مل گئی۔

وسط مارچ میں ملک کی معاشی زندگی عملی طور سے مفلوج ہو گئی۔ فیکٹریوں اور دوسرے کاروباری مراکز میں کام بند ہو گیا۔ حکومتی اداروں میں کام رک گیا۔ اسکول اور یونیورسٹیوں میں تعلیم معطل ہو گئی۔

مختلف انتہا پسند گروپوں کا کسانوں، مزدوروں اور طالب علموں یا اُن کے مفادات سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اور نہ ہی وہ ملک میں سماجی اور معاشی اصلاحات چاہتے تھے۔

تشدد کی جو لہر انتہا پسندوں اور رجعت پرستوں کی جانب سے اٹھی تھی۔ اس کا بنیادی مقصد جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھ مضبوط کرنا تھا۔ اُن کو یہ ڈر تھا کہ صحیح جمہوریت اور سماجی اور معاشی تبدیلیوں سے اُن کے اپنے مفادات پر ضرب پڑ سکتی ہے ـــــ اکثر دیکھا گیا کہ مالکوں اور اُن کے ایجنٹوں نے عوام کو ہنگاموں پر آمادہ کرنا شروع کیا۔ تاکہ جمہوری تحریک سے سودا بازی کی جاسکے۔ اور پولیس اور فوج کے لئے مداخلت کا جواز پیدا کیا جاسکے۔

باقی کالم ۲ پر

۲۵ مارچ کو بڑھتے ہوئے سیاسی عدم استحکام کی صورت میں صدر ایوب خاں نے استعفیٰ دے دیا۔ اور تمام اختیارات پاکستان کے فوجی کمانڈر انچیف جنرل یحییٰ خاں کے سپرد کر دیئے۔ جنہوں نے کہ مارشل لار نافذ کر دیا۔ صوبائی اور قومی اسمبلیاں توڑ دیں۔ مرکزی اور صوبائی حکومت برخاست کر دی گئی۔ تمام اختیارات فوج کو حاصل ہو گئے۔ جس کے سربراہ یحییٰ خاں تھے۔ جنہوں نے بعد کو صدر ہونے کا اعلان کیا۔

دونوں صوبوں میں چیف ایڈمنسٹریٹر فوج کے نمائندے مقرر ہوئے۔ ملٹری انتظامیہ کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے یحییٰ خاں نے کہا۔

"میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں ملک میں اس قسم کے حالات پیدا کروں جس سے کہ آئینی حکومت تشکیل پا سکے۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ دیانت دار اور پاک صاف انتظامیہ۔ تعمیری سیاسی زندگی اور انتقالِ اختیارات اُن نمائندوں کے سپرد کرنے کے لئے ضروری ہے جو کہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر غیر جانبدارانہ طور پر انتخابات میں کامیاب ہوئے ہوں۔

نئے رہنماؤں نے کئی اعلانات کئے ہیں۔ جن کی رو سے پولیس یا فوج کے بارے میں شک و شبہات پیدا کرنے یا مارشل لار کے خلاف اکسانے والوں کو سخت سزائیں دی جائیں گی۔ فوجی عدالتیں قائم کی جا چکی ہیں۔ ناجائز جلسے۔ جلوس۔ ہڑتالوں اور سیاسی ہنگاموں پر تعلیمی اور صنعتی اداروں میں پابندی لگا دی گئی ہے۔ جو کہ زبانی اُصول برتنے والے انتظامی نظام کا خاصہ ہے۔

سیاسی جماعتوں پر پابندی نہیں لگائی گئی ہے۔ مگر مارشل لار کے قانون کے تحت اُن کی سرگرمیوں کو محدود کر دیا گیا ہے۔

۱۰ اپریل کو راولپنڈی میں پہلی اخباری کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بحیثیت صدر جنرل یحییٰ خاں نے کہا۔

"ملک کو متعین کردہ راستہ پر ترقی دینے کے لئے اقدامات کئے جائیں گے۔ عوامی نمائندے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر منتخب کئے جائیں گے۔"

پاکستان کی معاشی ترقی کے بارے میں انہوں نے کہا۔

"اُس کا انحصار منصوبہ بندی پر ہو گا۔ جس کا مقصد یہ ہو گا کہ ملک کے عام لوگوں کا معیار زندگی بلند ہو۔ یہ نہیں کہ ایک مخصوص طبقہ دوسروں کے تصرف پر اپنی زندگیوں کو زیادہ خوشحال بنائے۔"

فوجی انتظامیہ نے اسمگلنگ کو روکنے کے لئے اقدامات کئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اشیاء جو کہ غیر قانونی طور پر ملک سے غائب ہو گئیں دوبارہ نظر آنے لگی ہیں۔

ایک اعلان جاری ہوا ہے۔ جس کی رو سے اناج اور چینی ۔ مشرقی

باقی صہ ۲۹ پر

امریکی آئینہ صہ ۲۰ کالم ۲ سے آگے

پچھلے ماہ لوٹ مار کے واقعات نے ایوب خاں کے دل میں ضرور یہ خواہش پیدا کی ہو گی کہ وہ بھاشانی کو جیل میں بند کر دیں۔ چین کے اشاروں پر کام کرتے ہوئے اُس کی پارٹی کے ہوشیار کارکنوں نے ماؤسٹ طرز پر بغاوت شروع کرنی چاہی۔ جس کے نتیجے میں لوٹ مار اور غارت گری کے واقعات رونما ہوئے۔ سینکڑوں افراد جن میں ایک درجن چھوٹے سرکاری ملازم بھی شامل تھے۔ جان سے مارے گئے۔ مکانات کو جلا دیا گیا۔

بھاشانی اِس تشدد کو "مال غنیمت" یا مکافات کے بدلے سے تعبیر کرتا ہے۔ جو کہ قرآنی نقطہ نظر سے قابل معافی ہے۔

پاک چین دوستی زندہ باد

یہ اکتوبر کا مہینہ ہے ہمارے پڑوسی ملک چین کے اندر ۱۹۴۹ء میں اسی مہینے کی پہلی تاریخ کو عوامی انقلاب برپا ہوا۔ عوامی جمہوریہ چین کے یوم انقلاب کے موقع پر ہم ائیر مارشل نور خان صاحب کے اس دورۂ چین کی تفصیلات آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں، جو موصوف نے جولائی کے مہینے میں کیا تھا۔ اس دورے کی تمام و کمال تفصیل ویسے بھی قومی پریس میں نہیں آئی تھی، اس لحاظ سے بھی یہ روئیداد دلچسپی سے خالی نہیں ہے (ادارہ)

ائیر مارشل نور خان کے دورۂ چین کے موقع پر پاکستانی چینی وفود کے مذاکرات سے پہلے کا گروپ فوٹو۔ تصویر میں ائیر مارشل نور خان، وزیر اعظم چو این لائی اور وزیر دفاع لن پیاؤ بھی نظر آ رہے ہیں۔

صدر آغا محمد یحییٰ خان کی انتظامی کونسل کے رکن اور حکومت پاکستان کے دوستی اور خیر سگالی کے وفد کے سربراہ ائیر مارشل نور خان چینی حکومت کی دعوت پر ۱۲؍جولائی کو پیکنگ پہنچے۔ ائیر پورٹ پر پاکستان اور چین کے قومی پرچم لہرا رہے تھے وزیر اعظم چو۔ این۔ لائی اور عوامی فوج آزادی کے چیف آف اسٹاف ہوانگ ینگ۔ شنگ نے معزز مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ ائیر پورٹ پر ان کا استقبال کرنے والوں کا زبردست ہجوم تھا جو پاکستان اور چین کے قومی پرچم لہرا رہے تھے۔ ائیر پورٹ کی فضا ”پاک چین دوستی زندہ باد“، ”کشمیری، عوام کی قومی آزادی کی حفاظت اور خارجی جارحیت کا مقابلہ کرنے کی جدوجہد کی تندہی سے حمایت کرو“۔ ”کشمیری عوام کی قومی حق خود اختیاری کی جدوجہد کی گرمجوشی سے حمایت کرو“۔ امریکی سامراجی جارحیت کے خلاف اور صیہونیت کے خلاف عرب اور فلسطینی عوام کی جدوجہد کی سختی سے حمایت کرو“۔ ”ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکی عوام کی سامراج اور نوآبادیاتی نظام کے خلاف اور قومی آزادی کے حصول اور حفاظت کی جدوجہد میں سختی سے حمایت کرو“۔ ”تمام دنیا کے عوام کا اتحاد زندہ باد“۔ ”امریکی سامراج مردہ باد“۔ ”روسی ترمیم پسند سوشل سامراج مردہ باد“۔ ”پاکستانی عوام زندہ باد“ کے نعروں سے گونج رہی تھی“۔

۱۳؍جولائی کو وزیر اعظم چو این لائی نے ائیر مارشل نور خان اور حکومت پاکستان کے خیر سگالی اور دوستی کے وفد کے ممبروں کے اعزاز میں ایک دعوت دی۔ دعوت کے بعد وزیر اعظم چو این لائی اور ائیر مارشل نور خان نے تقریریں کیں۔ اُسی دن وزیر اعظم چو این لائی اور چینی عوامی فوجِ آزادی کے چیف آف اسٹاف ہوآنگ ینگ۔ شنگ نے ائیر مارشل نور خان سے گفتگو کی۔

چینی وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں کہا کہ چین اور پاکستان دوست ہمسائے ہیں۔ ان کے درمیان قدیم گہرے دوستانہ تعلقات ہیں۔ حالیہ برسوں میں دونوں ملکوں کے عوام اور حکومتوں کی مشترکہ کوششوں کی بدولت چین اور پاکستان کے درمیان دوستانہ رشتہ اور تعاون مضبوط ہو گیا ہے۔ دونوں ملکوں نے، علاقائی حدود اور خود مختاری کے احترام، ایک دوسرے پر جارحیت اور ایک دوسرے کے داخلی معاملات کے احترام، ایک دوسرے پر جارحیت اور ایک دوسرے کے داخلی معاملات میں مداخلت نہ کرنے، مساوات اور باہمی مفاد اور پرامن بقائے باہمی اور سامراجیوں اور توسیع پسندوں کی جارحیت اور مداخلت کی مخالفت کے پانچ اصولوں پر سختی سے عمل کیا ہے۔ حقائق نے ثابت کر دیا ہے کہ پاک۔ چین دوستی دونوں ملکوں کے عوام کے بنیادی مفاد میں ہے اور سامراج کے خلاف تمام دنیا

کے عوام کے اتحاد میں مدد کر رہی ہے۔

پاکستانی عوام بیرونی جارحیت اور تشدد کے خلاف جدوجہد کی شاندار روایات کے مالک ہیں۔ حالیہ برسوں میں پاکستانی عوام نے وحشیانہ طاقت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے غیر ملکی جارحیت، مداخلت اور تخریب کاری کا بہادری سے مقابلہ کرکے اپنی قومی آزادی اور خود مختاری کی حفاظت کی ہے۔

میں اس وقت حکومت پاکستان اور پاکستانی عوام کو ان کے قومی وقار اور خود مختاری کی حفاظت اور غیر ملکی جارحیت اور مداخلت کے خلاف جدوجہد اور کشمیری عوام کو ان کے حق خود اختیاری کی منصفانہ جدوجہد میں چینی حکومت اور چینی عوام کی طرف سے مکمل حمایت کا دوبارہ اعلان کرتا ہوں۔

ائیر مارشل نور خاں نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہم پاکستانی اپنے چینی بھائیوں کے لئے خلوص اور احترام کے جذبات رکھتے ہیں۔ ہماری دوستی نئی نہیں ہے۔ اپنی اپنی مادرِ وطن کو آزاد کرانے کی طویل جدوجہد میں ہمارے تجربات یکساں ہیں۔ اپنے ملکوں کی آزادی کے حصول میں کامیابی کے بعد ہم عالمی امن کے لئے مل کر کام کرتے رہے ہیں۔ ہمارے دونوں ملکوں کے تعلقات جن کی بنیاد باہمی احترام پر ہے گزشتہ برسوں میں مضبوط ہوتے رہے ہیں اور اس دنیا کے معاملات میں جس نے بہت سی تبدیلیوں اور کشیدگیوں کے بہت سے تجربات دیکھے ہیں، ایسا مستقل کردار رہے ہیں جس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

ہماری دوستی کی بنیاد کسی کی مخالفت پر نہیں ہے۔ اس کے برعکس ہم تمام جھگڑوں کا پرامن تصفیہ چاہتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۵ء میں ایسے جھگڑوں میں پھانس دیئے گئے جو ہم نے شروع نہیں کئے تھے۔ ہم کسی کی علاقائی حدود پر دعویٰ نہیں کرتے اور ہم جو چاہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ باضابطہ بین الاقوامی معاہدوں اور خاص طور سے عوام کے حقِ خود مختاری کے سلسلے میں اثر انداز ہونے والے معاہدوں پر عمل کیا جائے۔ اس اصول کی مضبوط اور مستقل حمایت کرنے پر پاکستان آپ کا مشکور ہے جو کہ جموں اور کشمیر کے عوام کے لئے زبردست قوت کا ذریعہ ہے۔

یہ انتہائی افسوسناک امر ہے کہ اسرائیل ابھی تک ڈکیتی کا مال ہضم کئے بیٹھا ہے۔ پاکستان تمام عرب علاقوں سے اسرائیل کی واپسی اور اپنی مادر وطن پر فلسطینی عوام کے حق کے عرب عوام کے مطالبے کی مستقل مزاجی سے حمایت کرتا ہے۔

نور خاں کے پیکنگ پہنچنے پر وزیر اعظم چین مسٹر چو این لائی اُن کا استقبال کر رہے ہیں

ہمیں یقین ہے کہ اقوام متحدہ کا اثر اس وقت تک محدود رہے گا جب تک وہ دنیا کی کل آبادی کے پانچویں حصے کو نمائندگی کا حق نہیں دیتی۔ ہم دو چینیوں کے سراب کو قطعی مسترد کرتے ہیں۔ ہم نے ہمیشہ اقوام متحدہ میں عوامی جمہوریہ چین کی نمائندگی کے حق کی طرفداری کی ہے اور اس سلسلے میں اپنی کوششیں جاری رکھیں گے۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی نمایاں معاشی ترقی عظیم چینی قوم کے مضبوط اخلاق اور آپ کے عظیم رہنما چیرمین ماؤزے تنگ کی بہترین رہنمائی کی مرہونِ منت ہے۔ ایٹمی ٹیکنالوجی کے میدان میں آپ کے عظیم ملک کی کامیابی پر آپ کے بجا فخر میں پاکستانی عوام اپنے آپ کو شریک سمجھتے ہیں جو آپ کے عوام کی انتھک محنت اور پرخلوص لگن اور چیرمین ماؤ کی منفرد رہنمائی کا ایک اور ثبوت ہے۔

۱۶ر جولائی کی شام کو ائیر مارشل نور خاں اور ان کی بیگم نے پیکنگ میں عوام کے عظیم ہال میں الوداعی دعوت دی۔ دعوت میں وزیر اعظم چو این لائی، ہوآنگ ینگ شینگ، چیف آف اسٹاف عوامی فوج آزادی اور دوسرے معزز پاکستانی اور چینی مہمانوں نے شرکت کی۔ اس موقع پر ائیر مارشل نور خاں اور وزیر اعظم چو این لائی نے چینی اور پاکستانی عوام کے درمیان انتہائی پرجوش دوستی کے جذبات کی فضا میں تقریریں کیں۔

ائیر مارشل نور خاں نے اپنی تقریر میں کہا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں چینی عوام کی نمایاں ترقی، چیرمین ماؤ کی بہترین قیادت، دانائی اور دور اندیشی کا واضح ثبوت ہے۔ اپنے دورے میں ہمیں عظیم پرولتاری ثقافتی انقلاب میں حاصل کی ہوئی بے مثال کامیابیوں کو خود دیکھنے کا موقع ملا۔ ہم چیرمین ماؤ کی درازیٔ عمر کی دعا کرتے ہیں تاکہ وہ صحیح منزل کی طرف چینی عوام کی رہنمائی کرتے رہیں۔ آپ کے ملک کی طاقت اس علاقہ میں امن قائم رکھنے کے لئے ایک فیصلہ کن کردار ادا کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ چین کسی قوم کے لئے خطرہ نہیں ہے۔

حق خود اختیاری کے ناقابلِ تنسیخ حق کے حصول کے لئے جموں اور کشمیر کے عوام کی منصفانہ جدوجہد میں چین کی غیر مشروط حمایت ان کے لئے مستقل مدد کا ذریعہ ہے اور اسے وہ تمام لوگ پسند کرتے ہیں کہ جو انصاف اور انسانی آزادی کو عزیز رکھتے ہیں۔ جموں اور کشمیر کے عوام کے حق خود اختیاری کے حصول کے لئے ہمارا عزم غیر متزلزل ہے۔

آپ کے ملک نے جس فراخدلی سے ہماری بیش قیمت امداد کی ہے ہم اس کے مشکور ہیں۔ ہماری قومی ترقی پر آپ کی اس امداد کے نقوش نمایاں ہونے شروع ہوگئے ہیں۔ ہمارے دونوں ملکوں کو ملانے والی شاہراہ جواب مکمل ہونے والی ہے۔ انجنیئرنگ کے فن کا بے مثال نمونہ ہے اور ہمارے دونوں ملکوں کے عوام کی اہمیت اور صلاحیتوں کی آئینہ دار ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ باہمی مفاد کے مسائل پر فکری یکسانیت کی وجہ سے چین اور پاکستان دنیا کے اس حصے میں امن و سلامتی کو ترقی دے رہے ہیں۔

پاکستان اور چین نے اچھے ہمسایوں کی طرح پیار اور محبت سے زندہ رہنے کی ایسی مثال قائم کردی جس کی دوسرے تقلید کرسکتے ہیں لیکن جہاں اس قسم کے مفاہمانہ جذبہ کی کمی ہو اور بنیادی مسائل پر اختلافات ہوں وہاں معاشی یا دوسرے مسائل پر علاقائی تعاون کی بات ہوائی گھوڑے دوڑانے کے مترادف ہوگی۔

ایئر مارشل نور خان کے بعد وزیر اعظم چو این لائی نے الوداعی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ایئر مارشل نور خان کے چین کے موجودہ دورے نے دونوں ملکوں کے درمیان دوستی کو اور زیادہ مضبوط بنا دیا ہے اور

بقیہ صفحہ ۴۰ پر

دوسری قسط

بے برگ و گیاہ

مصنف:۔ اگنات ہرمین

مترجم:۔ حمید اختر

کوئی علاج ہو سکتا ہے؟ کیا کیا جا سکتا ہے؟ اس بدقسمتی کے لئے کون قصوروار ہے؟ نہیں قصور نہیں —— اس نے اپنی غلطی خود ہی درست کی —— "کوئی قصور نہیں...... کوئی ناکامی نہیں —— لیکن وجہ —— وجہ —؟؟؟ وجہ بتانا مشکل تھا۔ بعض اوقات قصوروار خاوند دکھائی دیتا اور بعض اوقات بیوی —— یہ ایک ناقابل حل نفسیاتی معمہ تھا۔

پھر ایوان متفکر رہنے لگا۔ وہ اپنے ماضی پر نظر ڈالتا۔ وہ کسی داغ دھبے کے بغیر درست تھا۔

شاید وہ اس تمام معاملے میں بہت جلد باز واقع ہوا تھا۔

شادی سے پہلے بیوی کو اس نے دو یا تین دفعہ ہی دیکھا تھا۔ پہلی دفعہ چھٹی کے دن ڈریسڈن میں اس نے ایک معزز انسان کو "چیک" زبان میں گفتگو کرتے ہوئے پایا تھا۔

اس نے اسے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا اور اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔

پھر اس نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور دو روز تک سائے کی طرح ان کے ساتھ لگا رہا۔ اس کے بعد وہ گھر چلے گئے۔ تھے کچھ دیر بعد وہ بھی روانہ ہو گیا۔ کیونکہ اسے اپنے ماحول سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی اس نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ وہ معزز آدمی بوہیمیا کے ایک بڑے شہر کا ایک کارخانہ دار تھا اور وہ لڑکی اس کی بیٹی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے دانستہ طور پر ان کے گھر جا کر ملاقات کرنے کی جرأت کی۔

اس کا استقبال مہذب انداز میں کیا گیا۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ لڑکی کی شخصیت عام لوگوں سے متمیز تھی۔ مگر وہ بہت سرد مہری سے پیش آتی تھی جب ایوان وہاں پہنچا تو اس کی آنکھیں صاف طور پر حیرانی سے کہہ رہی تھیں "کیا ڈریسڈن کی اتفاقی ملاقات تمہیں میرے گھر تک آنے کا حق دیتی ہے؟"

وہ وہاں سے چلا آیا اور ایک ہفتے کے بعد اس نے بڑی جرأت سے لڑکی کے رشتہ کا مطالبہ کر دیا۔ ایک ہی وقت میں اس نے اسے اور اس کے والد کو خط دیا تھا۔ والد کے خط کے جواب کا لہجہ نرم تھا اور اس نے یہ ناخوشگوار کام یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ لڑکی فیصلہ خود کرے گی۔

لڑکی نے فیصلہ کر لیا تھا۔ استقلال کے ساتھ نہایت شفقت سے اس نے یہ درخواست نامنظور کر دی۔

"چلو اس کا بھی خاتمہ ہوا" رون نے اپنے آپ سے کہا "اب مجھے یہ معاملہ یہیں پر چھوڑ دینا چاہئے۔ میرا خیال ہے اس کے نزدیک میری کوئی اہمیت نہیں ہے"

مگر پھر غیر متوقع طور پر چھ مہینے کے بعد اس نے اخبارات میں پڑھا کہ اس لڑکی کے والد کی تجارت فیل ہو گئی۔ اس خبر سے ایوان کے جسم میں ایک عجیب قسم کی سنسنی پھیل گئی۔ اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کیونکہ اس کے لئے اب کافی گنجائش نکل آئی تھی اور وہ ان کے شہر میں خود اپنی درخواست پیش کرنے کے لئے پہنچ گیا۔

وہ اسے دیکھ کر کس طرح مضطرب ہو گئے تھے جیسے وہ اپنے آپ سے شرمندہ ہوں! اس نے مناسب ترین الفاظ میں ان کو یقین دلایا کہ اس کی پوزیشن ان کی لڑکی کو تمام تکلیفوں سے محفوظ رکھتے ہوئے اسے اسی قسم کے آرام مہیا کر سکے گی جیسے اسے خود اپنے گھر میں میسر تھے۔

وہ لڑکی تقریباً مایوس نظر آ رہی تھی۔ اس دفعہ اس کا باپ اس کی طرف سے بولا۔ اس نے رون کی پیش کش کو ٹھکرایا نہیں، پھر بھی اس نے کہا "ایک دو مہینے کے لئے ٹھہرو —— یا شاید چھ ماہ ٹھہرنا پڑے

صبر سے کام لو —— تمہیں معلوم نہیں کہ ہمیں کن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے......... ہر شے بدل گئی ہے اور ہمیں بہت سی باتوں پر غور کرنا ہے۔ اس مصیبت کے وقت تم نے واپس آ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم ایک باہمت اور فیاض آدمی ہو.......... ہر آدمی تمہاری طرح نہیں سوچتا۔

ایوان رون نے پورے چھ ماہ انتظار کرنے کے بعد تقریباً ملتجیانہ انداز میں دوبارہ لکھا۔ ان خطوں میں بنک منیجر کا دل نہیں تھا بلکہ گرم اور پرجوش نوجوان کے جذبات تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میگڈا اس کی ہو گئی۔ اس کے باپ نے لکھا "میگڈا رضامند ہو گئی ہے" —— اور پھر وہ اسے بیاہ لایا۔

وہ اکثر ان سب باتوں پر غور کرتا اور عجیب و غریب حالات پر بھی جن میں اس کی منگنی اور شادی ہوئی تھی۔ کیا قسمت نے پہلے ہی موقعہ پر اس کا راستہ علیحدہ نہیں کر دیا تھا؟ کیا اسے پہلے ہی انکار کے بعد اپنی خواہشوں کو دفن نہیں کر دینا چاہئے تھا؟ ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے لئے اتنی ہی خوبصورت، شریف اور اچھی لڑکی حاصل کر لیتا جو اسے پورے طور پر خوش رکھ سکتی....... یہ سوچ کر وہ ہمیشہ ایک ناقابل بیان افسردگی کا شکار ہو جاتا۔ کیا میگڈا نے اس کی شادی کی مخالفت کر کے پہلے ہی سے مطلع نہیں کر دیا تھا۔ کیا اس نے یہ جان لیا تھا کہ وہ اپنے خاوند کو کلی طور پر کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔ کیا اسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ بے اولاد رہے گی؟ تب تو قصوروار وہی ہے!

ایوان غور و فکر اور سوچ بچار کی وجہ سے تقریباً پاگل ہو جاتا۔ مگر جب کبھی کافی رات گئے کوئی اہم کام سرانجام دینے کے بعد وہ اپنے سونے کے کمرے میں پنجوں کے بل چلتا ہوا داخل ہوتا تو نازک ترین جذبات ہمدردی اور درد کی ایک لہر سے اس کا دل معمور ہو جاتا۔ دروازہ کھولنے سے پیشتر اسے سوچنا پڑتا کہ وہ اپنی بیوی کی سسکیاں برداشت کر سکے گا یا نہیں۔ تب وہ گھنٹوں انتظار کرتا۔ حتیٰ کہ یہ مرحلہ گذر جاتا اور وہ چوروں کی طرح رینگ کر اپنے بستر میں داخل ہو جاتا اور جب اسے عام حالت میں سانس لیتے سنتا تو اطمینان کا سانس لیتا اور اگلی صبح جب وہ اسے بوسہ لے کر جگاتا تو تمام محبت اور شفقت اس بوسے میں سمو دیتا۔ میگڈا پوری گرم جوشی اور ممنونیت سے بغل گیر ہوتی —— تو وہ اس سے معافی مانگتی ہوئی نظر آتی۔

جب وہ اسے کام کاج کے سلسلے میں بڑی نفاست اور پسندیدگی سے گھر میں

اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے دیکھتا تو وہ نئے سرے سے اس سے محبت کرنا شروع کر دیتا اور اسے اس پہلے روز کی طرح چُومتا جب وہ اسے اپنے گھر میں لایا تھا۔ اس لئے اس خیال کی متواتر بازگشت کہ "اگر کوئی اور ہوتا جس کی وہ دیکھ بھال کرتے تو وہ کتنے خوش نصیب ہوتے" اس کے لئے بہت ہی زیادہ تکلیف دہ تھی۔

موسم گرما کی ایک سہانی سہ پہر کو ایوآن معمول سے کچھ پہلے ہی گھر لوٹ آیا۔ چٹخنی کی چابی پاس ہونے کی وجہ سے اس نے گھنٹی بجانے کی ضرورت محسوس نہ کی اور بغیر کسی کو نظر آئے اندر داخل ہو گیا۔

ٹوپی اور چھڑی کو مطالعے کے کمرے میں رکھنے کے بعد وہ اپنی بیوی کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ موٹے قالین پر اسے اپنے پاؤں کی چاپ بھی سُنائی نہ دیتی تھی نہ ہی میگڈا یہ چاپ سُن سکی۔

میگڈا کو رون کے کمرے کا دروازہ کھول کر اس کے پاس پہنچنے تک کے درمیانی عرصہ میں بہ مشکل اس خط کو لپیٹ کر لفافے میں بند کرنے کے لئے تھوڑا سا وقت ملا جو وہ اس کے آنے سے پہلے پڑھ رہی تھی۔ اس نے خاموشی سے یہی کیا اور ایوآن نے یہ غور نہیں کیا کہ اس وقت میگڈا کے ہاتھ کانپ رہے تھے جب وہ اس کے پہلو میں کھڑا تھا تو میگڈا نے بائیں ہاتھ کو جس میں خط تھا میز پر جُھکا کر رکھ دیا اور دائیں ہاتھ سے لباس ٹھیک کرنے لگ گئی۔ اس طرح اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو مشغول رکھا۔ اگر وہ اس کے ہاتھوں کو چھُوتا تو انہیں کانپتے ہوئے محسوس کئے بغیر نہ رہ سکتا۔

"آج کوئی خط آیا ہے؟" ایوآن نے لفافے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا جو اس کی انگلیوں کے نیچے سے جھانک رہا تھا اور وہ اس کا بوسہ لینے کے لئے جُھک گیا۔

جس وقت اس کے ہونٹ اس کے خاوند کے ہونٹوں سے ملے تو خون کا آخری قطرہ تک اس کے چہرہ سے غائب ہو گیا۔ اس کی ختم ہوتی ہوئی "ہاں" اس بوسے کی لذت میں کھو گئی۔

"کہاں سے آیا ہے؟" اس نے ٹکٹ کی طرف دیکھتے ہوئے سلسلۂ کلام جاری رکھا "کیا کوئی نئی چیز ہے؟"

غیر ارادی طور پر اس نے خط لینے کے لئے ہاتھ پھیلایا۔ اس وقت مسز رون نے سوچا کہ وہ بھاگ کھڑی ہو یا اپنے آپ کو کھڑکی سے باہر پھینک دے ..... لیکن اگر وہ اس آفت سے بچنا چاہتی ہے تو اسے ہرگز ایسی کوئی حرکت نہیں کرنی چاہئے جو اس کے خاوند کے شکوک کو اُبھارے۔ اس کی انگلیاں شدید تکلیف کی وجہ سے کھُلیں، مگر زیادہ بوجھل ہو کر میز پر جُھک گئیں۔

اس نے خط پکڑ لیا۔

"یہ ہفتہ وار تبصرہ معلوم ہوتا ہے" اس نے خوش مزاجی سے خط کو اپنی انگلیوں کے ساتھ محسوس کرتے ہوئے کہا "کیا تم پڑھ چکی ہو؟" اس نے آدھا خط لفافے سے باہر کھینچا اور اپنی ساس کا دستخط پہچان لیا۔

"پوری طرح سے نہیں" اس کی بیوی نے جواب دیا۔ اس نے کافی بلند آواز میں بولنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کی آواز نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس کا خاوند خط کھولنے لگ گیا جس میں ایک اور کاغذ لپٹا ہوا تھا۔

"تمہارے خطوط بھی جو تم ان کو لکھتی ہو اس سے کم نہیں ہوتے" اس نے خط کو پوری طرح کھولنے سے پیشتر اس کی طرف شفقت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ خوف زدہ آنکھوں سے اس کے ہاتھوں پر نظریں جمائے سیدھی کھڑی تھی اور اس کا چہرہ چاک کی طرح سفید تھا۔ اس کی جمی ہوئی نظروں نے بھی اس کے خاوند کے تحیر کو دور نہ کیا۔

ایوآن کچھ نہ سمجھ سکا۔ لیکن میگڈا کا خیال تھا کہ وہ سمجھ گیا ہے۔ معاً اسے خیال آیا کہ اس کے خط خواہ کتنا عرصہ میگڈا کی میز پر پڑے رہیں وہ انہیں کبھی ہاتھ تک نہیں لگاتی یہاں تک کہ اس نے اس کا کارڈ تک کبھی نہیں پڑھا تھا۔ اس نے خاوند کی خط و کتابت کے بارے میں کبھی ذرا بھی تجسس نہیں کیا تھا۔ اس کے جواب میں وہ بھی اس کے خطوں کے بارے میں ایسی خاموشی کا حامل تھا اور وہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے خطوں کو چھُوتا تک نہ تھا آج وہ ایسا کرنے میں ناکام رہا ہے .... اس نے ابھی خط ختم بھی تو نہیں کیا تھا۔ اس نے آج اس رسم کو توڑ دیا تھا جو ان کے درمیان ایک خاموش معاہدہ کی صورت میں تھی۔

اس کی حیرانی اور استعجاب کی یقیناً یہی وجہ ہے! اس لئے اس نے خط کو لپیٹ کر لفافہ میں اسی طرح بند کر کے میز پر رکھتے ہوئے صلح جویانہ انداز میں کہا "میگڈا! مجھے معاف کر دو۔ یہ میرے لئے مناسب نہ تھا۔"

اس کی بیوی نے اپنے خوف کو چھُپانے کے لئے ایک جبریہ ہنسی ہنسنے کی کوشش کی اور اس کے تھوڑی دیر بعد وہ یہ کہنے کے قابل ہو سکی کہ "تمہیں معلوم تو ہے یہ ہمارے گھر سے آیا ہے۔ کوئی اہم بات نہیں کوئی نئی چیز نہیں"

پھر اس نے فوراً گفتگو کا رُخ بدلا۔ "آج تم جلدی آ گئے ہو۔ کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"کیا خاص بات ہو سکتی ہے؟" اس کے خاوند نے کہا "میں جلدی اس لئے چلا آیا کہ میرا خیال تھا آج ہم سیر کے لئے چلیں گے، آج کتنا سہانا موسم ہے اگر تم رضا مند ہو تو ہم جزیرہ صوفیہ کی طرف چلیں۔ کیا تم تیار ہو جاؤ گی؟"

آہستہ آہستہ سیٹی بجاتا ہوا وہ ہاتھ دھونے اور صاف قمیص پہننے کے لئے اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔

اس کے جانے کے بعد اس کی بیوی نے اپنے صندوق کا دراز کھولا جس میں اس کی بہت قیمتی اور بیش بہا چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس میں سے آبنوس کا ایک چھوٹا سا صندوقچہ نکال کر اس میں خط کو مقفل کیا۔ چابی جیب میں ڈالی اور لباس تبدیل کرنے چلی گئی۔

سیڑھیوں پر سے اکٹھے اُتر کر وہ گلی میں آ گئے جہاں رون نے میگڈا کو اپنا بازو پیش کیا۔ یہ معلوم کر کے اسے بہت خوشی ہوئی کہ اس نے بڑی مضبوطی سے اپنا ہاتھ اس کے بازو پر رکھ دیا اور وہ اس کے قریب تر ہو گیا ہاں! یہ بازو اس کے لئے دنیا میں ایک مضبوط محافظ تھا۔ ایوآن کو کچھ علم نہ تھا کہ اس کی بیوی کے دماغ پر کیا گزر رہی ہے۔

چند روز بعد ایوآن اس واقعے کو بالکل فراموش کر چکا تھا، ایک روز وہ اپنی بیوی کے ساتھ اپنی سالانہ چھٹیاں بوہیمیا سے باہر گزارنے کے متعلق تجویزیں بنا رہا تھا۔ لیکن میگڈا قاعدے کے مطابق ہمیشہ کی طرح پہلے اپنے والدین کے پاس چند دن کے لئے جانا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ بوڑھے ہو چکے تھے اور میگڈا ان کو دیکھنے اور ایک دفعہ اور ان کے ساتھ رہنے کی خوشی حاصل کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ وہ چلی گئی۔

اس کی غیر حاضری میں ایوان جانے کی تیاری میں مصروف تھا۔ اس کی چھُٹی شروع ہو چکی تھی اور وہ اپنا وقت گھر پر ہی گزارا کرتا تھا۔ وہ چیزوں کو ترتیب کے ساتھ رکھ رہا تھا اور ان چیزوں کو جو ساتھ لے جانے والی نہیں تھیں مقفل کر رہا تھا۔ مسز رون اگلے دن ہی اپنے میکے سے واپس آنے والی تھی۔

ہوٹل سے کھانا کھانے کے بعد وہ گھر واپس آیا اور سب چیزوں کو دستی تھیلے میں رکھنے لگا۔ اس کے بعد وہ کمروں میں ادھر اُدھر گھوم کر یہ دیکھنے لگا کہ آیا کوئی چیز بھُول تو نہیں گئی۔ وہ اپنی بیوی کے کمرے کی طرف گیا اور وہاں ہر چیز کی ترتیب اور نفاست دیکھ کر مسکرایا۔

اچانک اس کی نظر بیوی کے اخروٹ کے صندوق پر پڑی۔ اوپر کے دراز کے سوا جو تیزی سے دھکیل کر چھوڑ دیا گیا تھا، تمام دراز مقفل تھے۔

"غور کا مقام ہے۔ اس کی تمام قیمتی اشیاء غیر مقفل پڑی ہیں" اس نے سوچا "کمرہ بھی تو مقفل نہیں ہے۔ نوکرانی نے یقیناً ہر چیز میں ہاتھ ڈالا ہوگا۔"

(باقی آئندہ)

"عظیم روح"

خالد علیگ

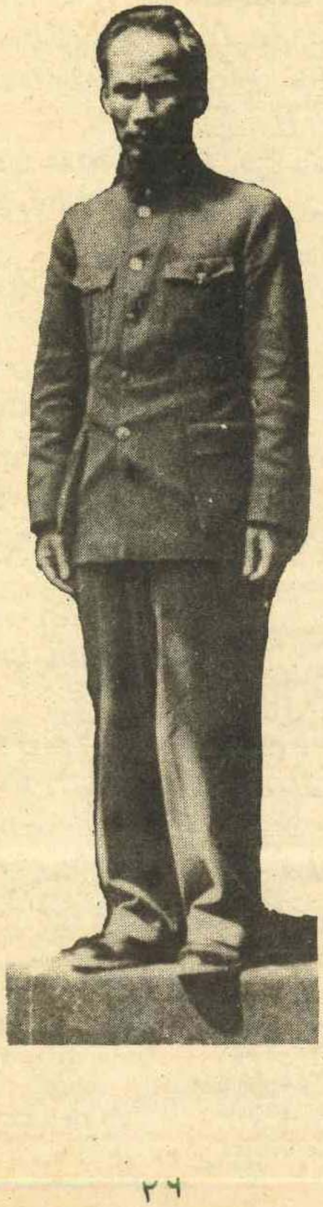

①

تمام عالمِ افریشیا کی جاں تو ہے
ہر ایک قوم کا پرچم ہے تو، نشان تو ہے
سوادِ شرق میں "گونجی ہوئی اذاں" تو ہے
امینِ عظمتِ ارضِ پیمبراں تو ہے

②

نہ معجزہ، نہ کرامت، نہ کوئی سحر و فسوں
نہ قیدِ مذہب و ملت، نہ رنگ و نسل نہ خون
بس اک "صداقتِ محنت" بنائے فکر و عمل
بس ایک حرفِ محبت، متاعِ سوزِ دروں

③

خوشا کمال! کہ تو زندگی کی راہوں میں
چراغ بن کے جلا، آفتاب بن کے جیا
ترے نثار! کہ "ٹھہرے ہوئے سماج" میں تو
خود انقلاب بنا، انقلاب بن کے جیا!

④

کفن بدوش جوانوں، برہنوں لاشوں کی
ترے عوام کی ــــ "زخمی عوام" کی سوگند
لہو میں ڈوبی ہوئی وادیوں کی شہروں کی
عظیم روح! ترے ویت نام کی سوگند

⑤

ہم آج عہد یہ پھر استوار کرتے ہیں
کہ "نسلِ نو" کے لئے "کل" کی عظمتوں کے لئے
نظامِ آتش و آہن سے، نظمِ کہنہ سے
تمام عمر لڑیں گے صداقتوں کے لئے

⑥

بدل چکا ہے اب اس "تیرہ خاکداں" کا مزاج
بساطِ عالمِ کہنہ اُلٹنے والی ہے
ہمیں یقین ہے کہ محنت کشوں کے ہاتھوں سے
سروں کی "پکی ہوئی فصل" کٹنے والی ہے

نعیم آروی

چاچا ہُو زندہ ہیں

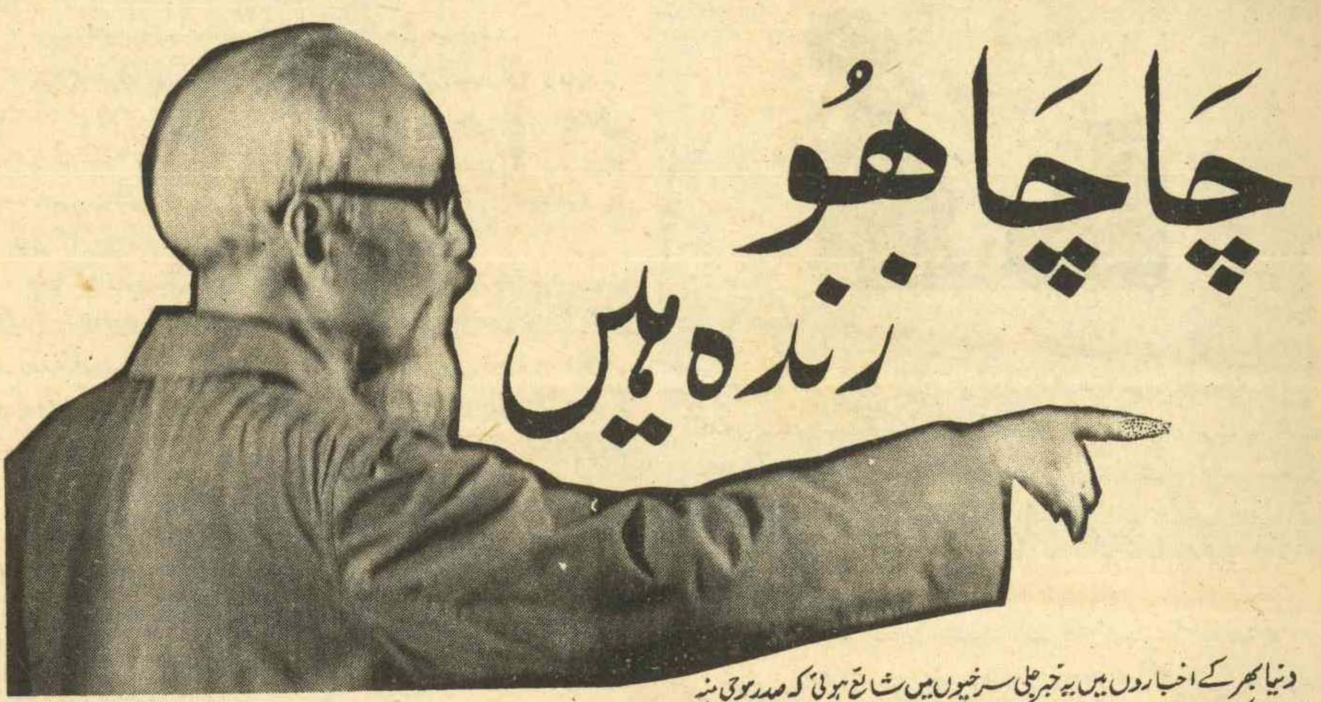

دنیا بھر کے اخباروں میں یہ خبر جلی سرخیوں میں شائع ہوئی کہ صدر ہوچی منہ کا انتقال ہوگیا — ویٹ نام کا وہ عظیم قائد جو زندگی بھر سامراج اور اس کے حواریوں سے جنگ کرتا رہا وہ اب خاموش ہوگیا۔ وہ اتنی لمبی اور گہری نیند سوگیا کہ پھر کبھی نہ جاگے گا۔

ویٹ نام اداس ہے۔

ہنوئی کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ اور ان گھروں، بازاروں، گلیوں، سڑکوں اور کھیتوں پر طویل سناٹا اور ویرانی ہے جن کی آزادی اور خوشحالی کی خاطر ۷۹ سالہ چاچا ہُو نے اپنا لڑکپن، اپنی جوانی اور اپنا بوڑھاپا سب کچھ قربان کر دیا۔

کیا چاچا ہُو جس نے تاریخ میں سامراج کے خلاف سب سے لمبی اور کٹھن جنگ کی قیادت کر کے ایک نئی روایت کی داغ بیل ڈالی وہ واقعی مرگیا۔ کیا اب اس کی آنکھیں کبھی نہ کھلیں گی اور اس کے پوپلے منہ سے یہ الفاظ پھر کبھی نہ نکلیں گے — سامراجیوں سن لو — ویٹ نام ویٹ نامیوں کا ہے، اس کے چپے چپے پر یہاں کے عوام، مزدوروں اور کسانوں کا حق ہے۔ تم اپنی بے پناہ طاقت، فوجوں کے جم غفیر اور اسلحہ کی ریل پیل سے انہیں مرعوب نہیں کر سکتے۔ تم ویٹ نام پر زندگی بھر تسلط قائم نہیں کر سکتے، البتہ ویٹ نام تمہارے لئے قبرستان بن جائے گا“ —

کیا واقعی ہوچی منہ کا انتقال ہوگیا — ؟

لیکن مجھے چاچا ہُو کی موت کا نہ اس دن یقین آیا جس دن دنیا بھر کے اخباروں میں جلی سرخیوں میں ان کی موت کی خبر شائع ہوئی اور نہ آج آیا — جب کہ یہ خبر بھی شائع ہوئی کہ چاچا ہُو کو سپرد خاک کر دیا گیا — اور یہ کہ چاچا ہُو کی موت پر سارا ویٹ نام آنسو بن گیا ہے اور ہنوئی کے در و دیوار سے اداسی اور بے قراری ٹپک رہی ہے — سارا ویٹ نام اور ساری دنیا کے حریت پسند سوگوار ہیں،

مجھے چاچا ہُو کی موت پر بھلا کیونکر یقین آسکتا ہے جبکہ میں جانتا ہوں کہ وہ محض گوشت پوست کے انسان نہ تھے۔ وہ ایک فکر تھے،

ایک تحریک تھے،

ایک روایت تھے۔

ایک انقلابی مشن کی روح تھے۔

اور فکر کبھی نہیں مرتی۔ تحریک کبھی ختم نہیں ہوتی، روایت کبھی نہیں مٹتی اور انقلابی مشن کی روح ہر بار نئے سانچوں میں ڈھل کر ایک نئی شکل اختیار کر جاتی ہے — !

ظلم اور استحصال کے خلاف سینہ سپر ہونے والا چاچا ہُو جس نے امریکی سامراج اور اس کے پٹھوؤں کے خلاف تاریخ کی طویل ترین جدوجہد کی قیادت کی، وہ کبھی نہیں مر سکتا وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس کی آواز ہمیشہ ویٹ نام کی فضاؤں میں گونجتی رہے گی — ’’سامراجیو ویت نام سے نکل جاؤ“ — ویٹ نام کے کھیت، ویٹ نام کی زمین، ویٹ نام کا اناج اور ویٹ نام کے ابلتے گنگناتے چشمے ٹھنڈے پانی کے کنوئیں اور گہرے پرسکون تالاب ویٹ نامیوں کے ہیں — تم ویت نام سے نکل جاؤ، ورنہ ہم تمہیں ویتنام میں دفن کر دیں گے —“

اور جب ویت نام میں یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو جائے گی۔ اور جب انقلابی مشن کا نظریہ پورے ویت نام میں حقیقت کے قالب میں ڈھل جائے گا“ اور جب سارا ویت نام آزادی اور خوش حالی کی روشنی میں نہا جائے گا تو پھر دبلے پتلے منحنی جسم اور چھوٹی سی داڑھی والے چاچا ہُو کی فکر افریقہ، لاطینی امریکہ اور ایشیا میں پھیل جائے گی۔

چاچا ہو کی موت پر تو مجھے اب بھی یقین نہ آیا — لیکن کیا کروں کہ دل کو ایسی بے قراری اور اداسی نے آن گھیرا جو خاندان کے کسی بڑے بوڑھے کی جدائی کے آخری لمحے جنم لیتی ہے۔ اور ایسے لمحوں میں انسان اعتماد اور عزم کے باوجود ماضی کی خوشگوار باتوں اور یادوں کو یاد کر کے اداس ہو ہی جاتا ہے۔ بہت پہلے جب میرے دادا میاں کا انتقال ہوا تھا تو میں بہت دنوں تک ان کے محبت بھرے چہرے کو یاد کر کے روتا رہا تھا اور اس کے بعد جب بابا کا انتقال ہوا تو بارش کی ان راتوں کو یاد کر کے میں اکثر اداس ہو جاتا تھا جب انگیٹھی کی روشنی میں بابا مجھے پریوں کی کہانیاں سنایا کرتے تھے — ”ایک تھا بادشاہ، اس کی سات لڑکیاں تھیں — ساتوں کی ساتوں بڑی خوبصورت تھیں، بادشاہ بڑا ظالم تھا اور رعایا سے خوب ٹیکس اور لگان وصول کرتا تھا۔ عوام اس سے سخت نالاں تھے، اور پھر یہ ہوا کہ جب عوام ظلم کی چکی میں پس پس کر بے حال ہو گئے تو اسی ملک میں لوہار کے لڑکے نے بادشاہ کے خلاف آواز بلند کی — اور دیکھتے دیکھتے عوام کی بڑی تعداد اس کے گرد اکھٹا ہوگئی — اور ایک دن“........

اور اکثر میں سو جاتا تھا۔

میں نے اپنے ابا کی کہانی کبھی مکمل طور پر نہیں سنی، ہر بار سو جایا کرتا تھا۔ لیکن میں نے چاچا ہُو کی زبانی وہ کہانی جو ادھوری رہ گئی تھی پوری سن لی۔ مجھے اس کہانی کے دوران ایک بار بھی نیند نہ آئی اور نہ ہی میٹھی نیند کا جھونکا آیا — یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور روشنی دریچوں

سے جھانک کر چپکے سے میرے کمرے میں گھس آئی، اور اس روشنی میں میرا سارا جسم نہا گیا۔

چاچا ہُو نے اپنی پوری زندگی آزمائشوں اور امتحانوں میں گزاری تھی۔ چاچا ہُو کے بابا سرکاری ملازم تھے، لیکن پکے انقلابی تھے، فرانس کے خلاف تھے اور ویت نام کی آزادی کے لئے کام کرتے تھے۔ بس اسی جرم میں وہ پکڑے گئے، ان پر عتاب نازل ہوا، اور ملازمت سے علیحدہ کر دیئے گئے۔ چاچا ہُو کے ابا نے چاچا ہُو کو بڑی سبق آموز کہانی سنائی تھی۔ وہی ظالم بادشاہ اور مظلوم عوام والی کہانی"۔

چاچا اپنے ابا کی زبانی سُنی ہوئی کہانی کو زندگی بھر نہ بھلا سکے۔ وہ بچپن ہی سے انقلابی تحریک میں شامل ہوئے اور فرانس کے خلاف انقلابی تحریک میں حصہ لینے لگے۔ ۱۹۱۲ء میں وہ گرفتاری سے بچنے کے لئے لندن پہنچ گئے۔ اور پھر وہاں سے ہارلم اور بوسٹن میں کچھ وقت گزارنے کے بعد فرانس چلے گئے۔ فرانس میں ان کا رابطہ مارکسٹ نظریے کے انقلابیوں سے ہوا۔ اور اس دن انہوں نے جان لیا کہ ویت نام کے عوام کے دکھوں کا مداوا اسی انقلابی نظریئے میں مضمر ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ ماسکو اور اس کے بعد چین میں گزارا — وہاں انہوں نے عوامی انقلاب کو تجربوں سے گزرتے ہوئے دیکھا اور اپنے سینے میں محفوظ کر لیا تاکہ یہی وہ راستہ تھا، جس پر چل کر وہ تاریخ کی طویل ترین جنگ کا آغاز کرنے والے تھے۔ ماسکو اور چین سے واپسی کے بعد تھائی لینڈ گئے اور ویتنامی ورکرز پارٹی کے قائد کی حیثیت سے ہند چین میں فرانس کے خلاف عام انقلاب کی تیاریاں شروع کر دیں۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران ہوچی منہ نے شمالی ویٹ نام کے وزیر دفاع جنرل گیاپ کے ساتھ مل کر "ویت من" کی بنیاد ڈالی اور اس پارٹی کی قیادت میں جاپانی سامراج کے خلاف عوامی جنگ کی قیادت کی اور جنگ عظیم کے آخری ایام میں جاپان کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ ۲ر ستمبر ۱۹۴۵ء کو ویت نام کے آزاد علاقہ شمالی ویت نام میں جمہوریہ ویت نام کی بنیاد ڈالی۔ عوام نے چاچا ہُو کو اپنا پہلا صدر منتخب کر کے جاپانی، فرانسیسی اور امریکی سامراج کے خلاف ایک مسلسل اور طویل ترین سامراج دشمن جنگ شروع کر دی۔

ویت نام کی آزادی کی تاریخ میں ویت نامی عوام کو اپنی آزادی اور مکمل آزادی کے لئے تین بڑے سامراجی ملکوں اور غاصبوں سے مسلسل جنگ کرنی پڑی۔ جاپانی سامراج کی کمر توڑنے کے بعد ویت نامیوں نے ۱۹۵۴ء میں ڈین بین پھو میں فرانسیسیوں کو عبرتناک شکست دے کر ثابت کر دیا کہ ویت نام صرف اور صرف ویتنامیوں کا ہے اور اور ویت نام کی زمین آخر کار سامراجیوں کے لئے قبر ثابت ہوگی۔

ویت نام کے حریت پسندوں نے جب فرانس کے سارے کس بل نکال دیئے تو امریکی سامراج فرانس کو سہارا دینے کے لئے فوری طور پر میدان میں کود پڑا۔ ۱۹۵۴ء میں معاہدہ جنیوا کے مطابق ویت نام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا — اور طے پایا کہ پورے ملک کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے دو سال بعد عام استصواب رائے ہوگا — لیکن اس وعدے کو کبھی پورا نہ کیا گیا"۔

فرانس نے اقتدار کی گٹھری بڑے شرمناک طور پر امریکہ کو منتقل کر دی تھی۔ ویتنام کو ویت نامیوں کے حوالے کر دینا اور انہیں آزادی دینا امریکی سامراج کے مفادات کے خلاف تھا۔ چنانچہ امریکہ نے اس تقسیم سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر جنوبی ویت نام میں اپنی پٹھو حکومت قائم کر دی جو دیکھنے اور سننے میں تو جنوبی ویت نام کی حکومت تھی لیکن درپردہ اس حکومت کی آڑ میں امریکی سامراج کے مفادات کی نگرانی کی جاتی تھی۔

آزادی کے بعد شمالی ویت نام کی آزاد اور جمہوری حکومت چاچا ہُو کی قیادت اور رہبری میں ترقی و مسرت کی نئی منزل کی طرف گامزن ہو گئی لیکن جنوبی ویت نام کے عوام بھوک، افلاس بے روزگاری کی آگ کا ایندھن بن گئے۔ جنوبی ویت نام امریکہ اور اس کے پٹھو ملکوں کی فوجوں کا ایک ایسا اڈہ بن گیا جہاں گلی گلی اور کوچے کوچے میں جسم و جاں کی تجارت ہونے لگی بھوک، بے کاری اور معاشی مجبوریاں، بدعنوانی اور بدکاری میں ڈھل گئیں —!

جنوبی ویت نام میں جوں جوں امریکہ کا اثر و نفوذ بڑھتا گیا، جنوبی ویت نام کے عوام میں امریکہ کے خلاف انتقام کی آگ اسی تیزی سے بھڑکتی گئی۔ ان کی یہی نفرت کچھ دنوں کے بعد عوامی جدوجہد میں تبدیل ہو گئی۔ چنانچہ آگے چل کر اس عوامی جدوجہد کا نام "قومی محاذ آزادی" پڑا جس کے پرچم کے نیچے جنوبی ویت نام کے سپوتوں اور حریت پسندوں نے سامراج کی جارحانہ کارروائیوں کا منہ توڑ جواب دے کر ناکوں چنے چبوا دیئے — آج بھی جنوبی ویت نام کے چھاپہ مار "ویت کانگ" پہاڑوں، جنگلوں، میدانوں، شہروں، اور قصبوں میں براہ راست امریکی جنگ بازوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے خون سے ایک نئی تاریخ لکھ رہے ہیں۔

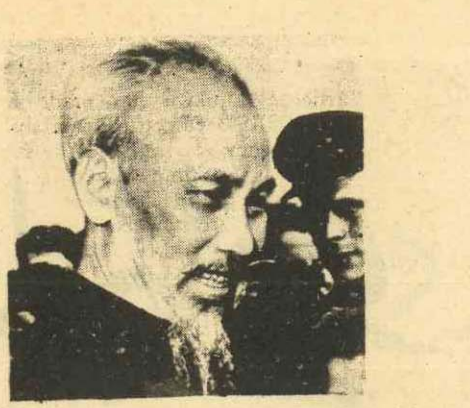

× ——— × ——— × ——— ×

شمالی ویت نام آزاد ہے، لیکن جنوبی ویت نام ابھی تک مکمل طور پر آزاد نہیں ہوا۔ ابھی ویت نام کی فضاؤں میں بارود کی بو گھلی ہوئی ہے۔ ہری بھری فصلوں پر ہر روز ہزاروں من راکٹ اور بم برسائے جا رہے ہیں۔ یتیم خانوں۔ اسکولوں، اور ہسپتالوں پر ہر روز اندھا دھند بمباری کی جا رہی ہے۔ اور نئی زندگی کا خواب دیکھنے والے مریضوں اور یتیم بچوں کو موت کا لقمہ بنایا جا رہا ہے، لیکن ان ساری آزمائشوں کے باوجود ویت نام کے عوام نے آزادی کی جدوجہد ختم نہیں کی۔ وہ سامراجی بھیڑیوں، غاصبوں اور لٹیروں کے حملوں کا بھرپور جواب دے رہے ہیں۔ ہوچی منہ کی موت نے ان کے حوصلوں کو پست نہیں کیا، ان کے ناقابل تسخیر عزم اور حوصلوں کو بڑھا دیا ہے۔

چاچا ہُو نے انتقال سے کچھ دیر پہلے اپنی پُرعزم آواز میں کہا تھا۔ "ویت نام کے حریت پسندوں، آخری فتح تک جنگ جاری رکھو"۔ شمالی ویت نام کے قائدین اور عوام نے اپنے محبوب رہنما کی آخری وصیت سن کر اعلان کیا — "جنگ تیز کرو — ہم سامراج اور اس کے حواریوں پر مکمل فتح تک جنگ جاری رکھیں گے۔ دنیا کی کوئی طاقت ہماری جدوجہد کا رخ نہیں موڑ سکتی —"

کون کہتا ہے کہ ویت نام کے عظیم قائد ہوچی منہ کا انتقال ہو گیا۔ کون کہتا ہے کہ ویتنامی بچوں کا چاچا ہُو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روٹھ گیا — چاچا ہُو کی موت کی ساری خبریں، ساری باتیں جھوٹ ہیں۔ بے بنیاد ہیں۔ محض بکواس ہیں۔ چاچا ہُو مرے نہیں زندہ ہیں۔ وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان کی آواز ہمیشہ ویت نام کی فضاؤں میں گونجتی رہے گی۔ سارا ویتنام یقیناً آزاد ہوگا۔ ویت نام کے چپے چپے سے سامراج کے ناپاک قدم اکھاڑے جائیں گے ویت نامیوں کے جسموں کے سارے داغ گنے جائیں گے۔ دھان کی ان فصلوں اور ہری بھری کھیتیوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کی جائیں گی جو زہریلی گیسوں اور نیپام بموں سے جل گئیں۔ ان ننھے منے بچوں کے چہروں کے زخموں کی مرہم پٹی کی جائے گی جو بموں اور بارود کے دھماکوں اور سنگینوں سے داغ دار ہو گئے ہیں۔ اور پھر مکمل فتح کے بعد ویت نام کے دونوں حصے ایک ہو جائیں گے۔ اور پھر ویت نام کے کھیت فصلوں کا سونا اگلیں گے۔ ابلتے گنگناتے ٹھنڈے پانی کے چشمے آزادی کا گیت گاتے ہوئے میدانوں کو سیراب کریں گے۔ کھیتوں کی سنسان پگڈنڈیاں ویت نامیوں کے رقص اور لوک گیتوں سے جاگ جائیں گی۔ سنسان ویران بازاروں کی ساری دکانیں کھل جائیں گی، خرید و فروخت کا بازار گرم ہو جائے گا۔ اسکولوں کی گھنٹیوں کی آواز سن کر ویت نام کے چھوٹے چھوٹے بچے اپنے اپنے اسکولوں کی جانب

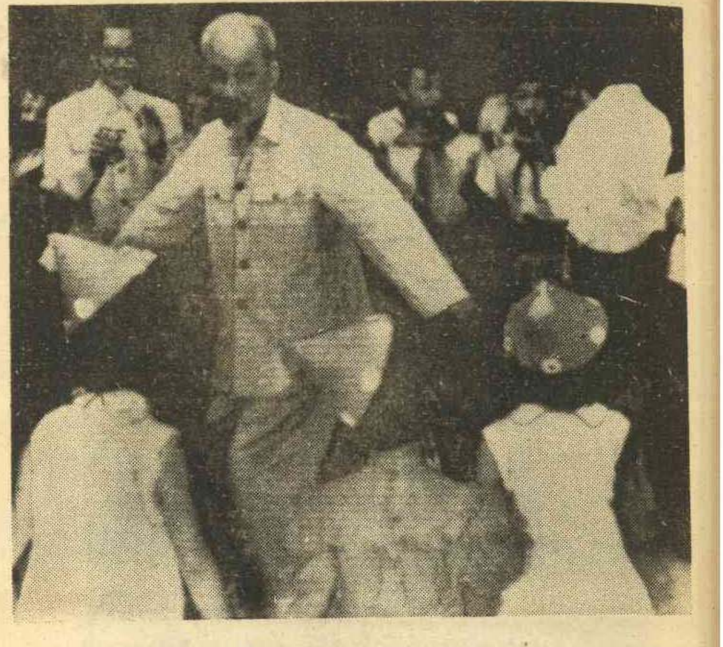

بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اور ان کی مائیں۔ اور ان کی بہنیں گھروں کے دروازے پر ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں الوداع کہیں گی ۔

جب ویت نام نیا ویت نام بن جائے گا۔ جب سارے ویت نامیوں کے چہروں پر آزادی اور مساوات کی کرنوں کی چھوٹ ہوگی اور فضاؤں میں آزادی اور فتح کے نغمے ابل رہے ہوں گے تو اس دن ویت نام کے عوام کو اور دنیا بھر کے انقلابیوں کو چاچا ہو بہت یاد آئیں گے۔ شاید اس دن ویت نامی محسوس کریں کہ چاچا ہو ان کے درمیان موجود نہیں ہیں۔

بقیہ صفحہ ۲۱ سے آگے

پاکستان کی قحط زدہ آبادی میں تقسیم کی جائیگی۔ مالکوں سے سفارش کی گئی ہے کہ مزدوروں کو اس وقت کی اجرت ادا کریں جبکہ وہ ہڑتال پر تھے۔ اور دوسرے کچھ مطالبات تسلیم کرنے پر بھی زور دیا گیا ہے اور اُن کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ وہ ٹیکس کی بقایا رقم ادا کریں۔

پاکستان ٹائمز یکم اپریل کی اشاعت کے مطابق خارجی تعلقات کے بارے میں موجودہ حکومت نے اعلان کیا کہ اس کی خارجی پالیسی وہی ہوگی جو کہ اس سے قبل حکومت کی تھی۔

جیسا کہ معلوم ہے ایوب حکومت کے آخری سالوں میں پاکستان کی خارجی پالیسی میں کئی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ جن میں سوویت یونین اور دوسرے سوشلسٹ ملکوں سے خوشگوار تعلقات قابل ذکر ہیں۔ پچھلے کئی سالوں کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ پاکستان اور سوویت یونین کے معاشی۔ ثقافتی اور ٹیکنیکل شعبوں میں وسعت دونوں ملکوں کے مفاد میں ہے۔ پاکستانی عوام کی واضح اکثریت سوویت یونین سے تعلقات بہتر بنانے کی حمایت کرتی ہے۔

پاکستان ایک اہم ترقی کے دور سے گذر رہا ہے۔ پچھلے سال کے آخر اور اس سال کی ابتدا میں رونما ہونے والی تحریک نے یہ ثابت کر دیا کہ بہت سے مطالبات جو کہ اِس دور میں اُبھرے ہیں انہیں نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

۲۶ مارچ کو یحییٰ خاں نے اعلان کیا کہ نئی انتظامیہ اصلاحات کی ضرورت کو سمجھتی ہے۔ اور اِس سلسلے میں قوم کو درپیش مسائل کے بارے میں سنجیدگی سے غور کریگی۔ مسائل کئی ہیں۔ اس کے حل کے لئے ملک کا معاشی اور سماجی طور پر ترقی کرنا۔ اور سیاسی اور معاشی طور پر اپنی آزادی کو مضبوط رکھنا ضروری ہے۔

ہوچی منہ کا مرثیہ

قمر ہاشمی

وہ مداوائے غمِ وتنامیاں
وہ ایشیا کی آبرُو
وہ ویت نامی جنگجو
وہ آگ کی اور خون کی ہولی میں انبوہِ سکوں
وہ آگہی کا ہے ستوں
وہ عظمتِ میدانِ رزمِ حرّیت
وہ جبر و استحصال
اور تاریک اندیشوں پہ اک ضربِ گراں
وہ آدھ جلے کھیتوں کا، ویراں جھونپڑوں کا پاسبان
آزادیوں کی وہ فضائے بیکراں
افسوس! پیوندِ زمیں ہونے کو ہے
وہ اپنے زندہ کارناموں کی بدولت
ذہن کے روشن اُفق پر جھلملائے گا سدا

غم نہیں، اے خوابگاہِ گیتیٔ عظمت پناہ
یہ دلاور تھک کے سویا ہے
اسے آرام دے
یہ زمین کا لاڈلا ہے، ناز کر
ناز کر اے زمیں کی کوکھ!
ایسے بے غرض انسان جَن
بنجر نہ بن
آدم نما افراد سے گیتی بہت بیزار ہے!

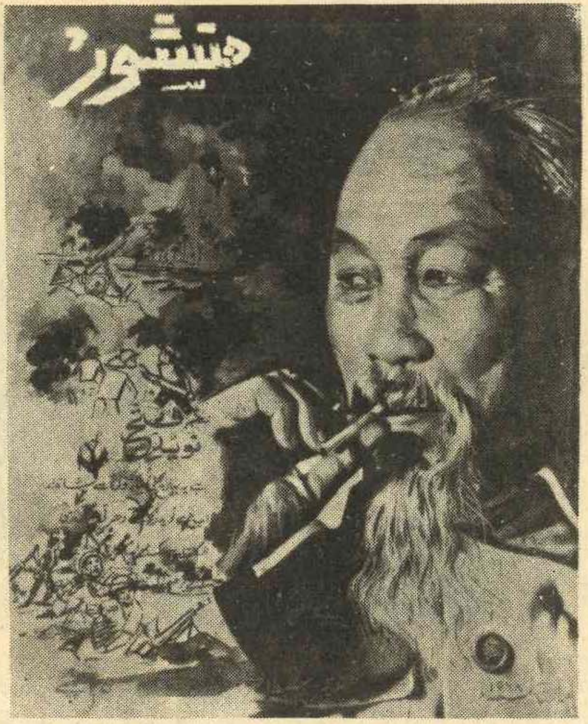

ھوچی من

حبیب جالب

نہ مٹ سکا، نہ مٹ سکے گا، نام تیرا ہوچی من
ہر ایک لب پہ آج ہے، نام تیرا ہوچی من

تو زندگی کی آس ہے، تو دھڑکنوں کے پاس ہے
دیارِ صبحِ نو ہے دیت نام تیرا ہوچی من

ترا ہر ایک لفظ ہے چراغِ راہِ زندگی
لبوں پہ اہلِ دل کے ہے کلام تیرا ہوچی من

مٹے گا اس جہاں سے نشان سامراج کا
کرے گا عام روشنی نظام تیرا ہوچی من

تو منزلیں دکھا گیا، تو راستے سُجھا گیا!
کریں گے ہم جو رہ گیا ہے کام تیرا ہوچی من

ملی ہے تجھ سے بیکسانِ دہر کو حیاتِ نو!
نگر نگر رہے گا احترام تیرا ہوچی من

تو آپ اپنی ہے مثال اے عظیم رہنما!

قصیدہ خواں ہے شاعرِ عوام تیرا ہوچی من

رشید حسن خاں

نئی تعلیمی پالیسی پر تجاویز و سفارشات

یہ امر قابل غور ہے کہ آخر کار حکومت نے ایک زبردست قومی اہمیت کے حامل لیکن مدتوں سے بھولے بسرے مسئلے پر توجہ دینے کی کوشش کی ہے۔ یہ مسئلہ پاکستان کے تعلیمی نظام کا مسئلہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص حکومت کی پیش کردہ تجاویز ترکیب اور تجزیئے سے اختلاف کرے یا کلی طور پر اتفاق نہ کرے لیکن کم از کم اتنا تو ہے کہ حکومت کی کوششوں نے اس مسئلے پر پچھلی حکومتوں کی مجرمانہ خاموشی کی برف پگھلا دی ہے۔

ہم تعلیمی میدان میں ستم رسیدہ مخلوق فراواں کے حقوق کی نمائندگی کرنے میں بجا طور پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ابتدا ہی سے ایک کے بعد دوسری حکومت کو اس بات سے آگاہ کرتے رہتے ہیں کہ روز افزوں قومی ضروریات کا صحیح مقابلہ کرنے کے لئے تعلیمی نظام کا رخ صحیح طور پر متعین کیا جائے۔ لیکن یہ تمام باتیں صدا بصحرا ثابت ہوئیں۔ ہماری سرگرمیاں تعلیمی نظام کے مکمل تعین سمت کے لئے عظیم الشان تحریکات اور انتھک جدوجہد کا حامل ایک قابل فخر ماضی رکھتی ہیں۔ ہم نے اپنے نصب العین کے حصول کے لئے ۷ اکتوبر سنہ ۱۹۶۸ء کو ظالم اور جابر سابق صدر ایوب خاں کے خلاف سنجیدگی کے ساتھ آواز بلند کی۔ جلد ہی یہ آواز ایک عوامی للکار میں ڈھل گئی۔ اس نے زبردست گھن گرج اختیار کر لی اور ایک ایسے عظیم عوامی ابھار میں تبدیل ہو گئی جس کی مثال ہماری تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ ظالم و جابر آمر مطلق کو غیظ و غضب سے بھرپور عوام کی خواہش کے آگے سر جھکانا پڑا اور ہمیشہ کے لئے مسند اقتدار کو چھوڑنا پڑا۔

اس کے بعد ایوب ٹولے کے بعد آنے والی موجودہ حکومت پر خود بخود یہ ذمہ داری آ پڑی کہ وہ لکھوکھا مصیبت زدہ عوام، محنت کشوں، کسانوں اور طلباء کے بے قابو مسائل سے نپٹنے اور ان کے حل تجویز کرے۔ یہی وجہ تھی کہ مارشل لا، انتظامیہ کو اپنے نفاذ کے وقت ہی مزدوروں، کسانوں اور طالب علموں کو یہ یقین دلانا پڑا تھا کہ ان کے مسائل پر فوری غور کیا جائے گا۔ جہاں تک ممکن ہو سکا ان کا تصفیہ کیا جائے گا۔ حکومت کی پیش کردہ "نئی تعلیمی پالیسی کی تجاویز" اسی جانب ایک کوشش معلوم ہوتی ہیں۔ ہم نے ان "تجاویز" پر پوری تفصیل اور باریکی سے غور کیا ہے اور ان پر کارکنوں کے بے لاگ اور دو ٹوک مباحثوں کی بنیاد پر مندرجہ ذیل نقد و تبصرہ پیش کرتے ہیں۔

نظریاتی طور پر حکومت نے یہ بات سمجھ لی ہے اور ساتھ ہی ساتھ جرأت مندانہ طور پر کہا کہ "اگر تعلیم کو قومی ترقی اور استحکام کا ایک مؤثر وسیلہ بننا ہے تو موجودہ پالیسیوں سے انقلابی انحراف سے کم کوئی قدم درکار نہ ہوگا"۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک جرأت مندانہ اعتراف ہے اور حکومت کی طرف سے اور بھی زیادہ دلیرانہ اظہار خیال ہے لیکن جب موجودہ پالیسیوں سے "انقلابی انحراف" پر عمل درآمد کرانے کی بات آتی ہے تو ہمیں ان "تجاویز" میں کچھ بھی نہیں ملتا۔ یہ "تجاویز" جو "انقلابی انحراف" کے نام پر سامنے آتی ہیں۔ یہ "انقلابی انحراف" اختیار کرنے اور فر[illegible]ام کو رد کرنے کے بجائے حقیقتاً سڑے ہوئے، دیمک زدہ اور فرسودہ نظام کو ٹھونک پیٹ کر کے اسے مزید کچھ عرصے کے لئے کام دینے اور کام کرنے کے لائق بنانے کی کوشش کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ تعلیم معاشرے کے بالائی ڈھانچے کا ایک حصہ ہے اور اس بالائی ڈھانچے میں کوئی بھی انقلابی تبدیلی لانے کے لئے یہ امر لازمی اور ناگزیر ہے کہ معاشرے کے معاشی نظام میں بنیادی تبدیلی لائی جائے۔ معاشرے کی معاشی بنیادوں میں تبدیلی لائے بغیر بالائی ڈھانچے میں انقلابی تبدیلی لانا غیر ممکن اور ناقابل تصور ہے۔

برصغیر ہند و پاک میں طویل نوآبادیاتی دور میں تعلیم کا مقصد حکمرانوں کے ہاتھوں کا ہتھیار بن کر صرف سامراجی آقاؤں کے مفادات کی خدمت کرنا اور کلرک پیدا کرنا تھا۔ یہ بات تجاویز میں صحیح طور پر واضح کی گئی ہے۔

عوام کی زبردست قربانیوں اور جدوجہد آزادی کے ایک مرحلے کے بعد پاکستان کا قیام عمل میں آیا مگر افسوس کہ قائد اعظم کی بے وقت موت کی وجہ سے اس نئی مملکت میں سیاسی اقتدار آہستہ آہستہ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے انتہائی ناعاقبت اندیش سیاسی نمائندوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہاتھوں کی اس تبدیلی کا کوئی نتیجہ تعلیمی پالیسی پر مرتب نہ ہوا اور تعلیمی نظام پاکستان میں نیم نوآبادیاتی، اور جاگیردار قوتوں کی بدستور خدمت کرتا رہا۔ نتیجتاً تعلیمی نظام گھسٹتا رہا۔ اور ابھی تک اس ترقی پذیر قوم کی ضروریات پوری کرنے کے قابل نہیں ہو سکا ہے، سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ جس جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ منزل پر اس وقت پاکستان کھڑا ہے، ہمارا موجودہ تعلیمی نظام اس منزل پر بھی ہمیں کچھ پیش نہیں کر سکتا۔ اس طرح ہمارا تعلیمی نظام ہمارے معاشرتی نظام سے بھی کہیں زیادہ قدامت پسند اور رجعت پرست ہے۔

ہمارا معاشرہ ایک طبقاتی معاشرہ ہے۔ انسان کے ہاتھوں انسان کا استحصال، چند افراد کے ہاتھوں اکثریت کا استحصال، مٹھی بھر جاگیرداروں، نوکرشاہی سرمائے اور بڑی تجارت کے ہاتھوں لکھوکھا مزدوروں کسانوں، اور محنت کش عوام کا استحصال ہمارے معاشرے کی بنیاد ہے۔ دوسری ہر جگہ کی طرح ہمارے معاشرے میں بھی اس استحصال کی جھلک تعلیمی نظام میں بھی ملتی ہے لہٰذا "موجودہ پالیسیوں سے انقلابی انحراف" کو روبہ عمل لانے کے لئے معاشرتی ڈھانچے کو یکسر بدلنا ہوگا۔ اگر حکومت پوری سنجیدگی کے ساتھ پاکستان کے تعلیمی نظام میں انقلابی تبدیلیاں لانے کی خواہش مند ہے تو معاشرتی ڈھانچے میں انقلابی تبدیلیاں لانے کی کوشش پوری شدت اور سنجیدگی سے کی جانی چاہئے، بدقسمتی سے جب ان تجاویز کا مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں جائزہ لیا جاتا ہے تو ان کا مقصد موجودہ فرسودہ نظام تعلیم کی مرمت کر کے اور نئے سانچے میں ڈھال کر اور اس میں چند اصلاحات نافذ کر کے اس نظام کو باقی رکھنا نظر آتا ہے،

مختصر یہ کہ جب کہ ایک طرف تو حکومت "موجودہ پالیسیوں سے انقلابی انحراف کی ضروریات کا احساس رکھتی ہے مگر دوسری طرف اس نظام میں صرف چند اصلاحات روا رکھی ہیں جب کہ موجودہ نظام تعلیم کو ایک ایسے بالکل نئے طرز تعلیم سے بدلنے کی ضرورت تھی جو پاکستان کے عزم کی ضروریات کے مطابق ہو۔ تجاویز میں ہوشیاری کے ساتھ فرسودہ نظام میں پیوندکاری کی چند تجاویز پیش کر دی گئی ہیں۔ اور انھیں ایک

بالکل نئے نظام کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

منصوبہ بندی کی خامیاں

سیدھی سادی تجاویز بھی خامکار، غیر سائنسی، اور لاحاصل منصوبہ بندی کا شکار ہوگئی ہیں، اسکیم خواہ کتنی ہی بلند خواہشات کی حامل کیوں نہ ہو۔ اگر منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے طریقے وضع نہ کئے جائیں، اگر مراحل کا صحیح تعین نہ کیا جائے، اور نشانہ طے نہ کیا جائے تو پوری اسکیم منہ کے بل گر پڑے گی۔

ان تجاویز کا مقصد بھی ایک عظیم پروگرام تیار کرنا ہے۔ لیکن اس پر عمل درآمد کرانے اور تکمیل کی ضمانت دینے کے لئے بظاہر کوئی اقدامات نہیں کئے گئے ہیں۔ ابھی حال ہی میں جو ۶۹-۷۰ء کا بجٹ پیش کیا گیا ہے اس میں تعلیم کے لئے چھ کروڑ اسی لاکھ روپے کی رقم رکھی گئی ہے جو گزشتہ سال کے بجٹ کے مقابلے میں صرف دس لاکھ روپے زیادہ ہے۔ لہٰذا اس سے کوئی ٹھوس اور نتیجہ خیز خواہش اور کوشش ظاہر نہیں ہوتی کہ حکومت اپنی اصلاحات پر عمل درآمد کرا سکے گی۔

اس سلسلے میں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ تعلیم کی مد میں صرف دس لاکھ کی رقم کا اضافہ تعلیمی نظام میں کوئی "انقلابی تبدیلی" نہیں لا سکتا جو کہ تجاویز کے بقول حکومت کا منشا رہے ہیں۔ پروگرام کی تکمیل کے لئے حکومت کو تعلیمی مد کی رقم میں خطیر اضافہ کرنا پڑے گا اور کرنا چاہیئے۔

حدود مراعات

رپورٹ صاف طور پر "حدود مراعات" کے وجود کا اعتراف کرتی ہے لیکن اس کے اسباب اور مجوزہ علاج حقائق سے مطابقت نہیں رکھتے،

رپورٹ میں درج شدہ وجوہات کی بناء پر حدود مراعات کا وجود ہے مگر یہ اسباب خود بتا رہے ہیں کہ ہمارا معاشرہ ایک طبقاتی معاشرہ ہے لیکن اس حقیقت کو در خور اعتنا انھیں سمجھا گیا ہے لہٰذا مجوزہ علاج بڑی حد تک اصل حالات سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ یہ علاج معاشرے کے طبقاتی کردار کو پیش نظر نہیں رکھتا۔

علاج میں کیڈٹ کالج میں قابلیت کی بنیاد پر داخلہ بھی شامل ہے جس میں مستحق طلباء کو مکمل وظیفہ بشمول رہائشی اخراجات مہیا کیا جائے گا۔ رپورٹ میں یہ تجویز بھی ہے کہ وہ نجی تعلیمی ادارے جن میں تیس روپیہ ماہوار یا زائد فیس وصول کی جاتی ہے۔ انھیں مجبور کیا جائے کہ ۲۰ تا ۲۵ طلبا کو قابلیت کی بنیاد پر منتخب کریں اور انھیں مفت تعلیم دیں۔ اس میں شک نہیں کہ مجوزہ اقدامات آگے کی طرف ایک قدم ہوں گے لیکن غیر مراعات یافتہ طلبا کے لئے SUMMUM BONUM حاصل نہیں کیا گیا ہے جب کہ قابلیت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اس بات کو قطعی فراموش کر دیا گیا ہے، کہ اس مرحلے پر جبکہ حصول تعلیم کے مساوی مواقع حاصل نہیں ہیں اور جبکہ کیڈٹ کالج، انگریزی ذریعہ تعلیم کے اسکول، اور پبلک اسکول موجود ہیں جن میں دوسرے اسکولوں اور اداروں کے مقابلے میں جہاں طلبا کی کثیر تعداد تعلیم حاصل کرتی ہے۔ صرف خوش نصیبوں کو ہی داخلہ ملتا ہے — صرف قابلیت کو بنیاد بنا دینا طبقاتی کردار ادا کرے گا، اور اس طرح مراعات یافتہ طلباء کا ایک گروہ غیر مراعات یافتہ طلباء کے دوسرے گروہ کو بہت پیچھے چھوڑ جائے گا۔ جہاں تعلیم میں اتنا واضح فرق موجود ہو وہاں قابلیت عام طور پر پہلے گروہ کے طلباء کے حصے میں چلی جائے گی اور یہ بات دوسرے گروہ کے طلباء کے لئے زبردست بے انصافی ہوگی،

جہاں تک ۳۰ روپے ماہوار یا زائد فیس وصول کرنے والے تعلیمی اداروں میں ۲۰ تا ۲۵ طلباء کے انتخاب کا تعلق ہے یہ ادارے اپنی فیس تیس روپے ماہوار سے کم کر کے ان تجاویز پر عمل درآمد روک سکتے ہیں۔

صاف بات یہ ہے کہ رپورٹ میں اصل مسئلے پر غور ہی نہیں کیا گیا ہے، طلباء کے بنیادی مطالبے کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا ہے اور رپورٹ میں ان کا سرسری سا بھی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔

ملک کے گوشے گوشے سے طلباء کا وہ مطالبہ جو طلبا تحریک کا نشان راہ رہا ہے وہ میٹرک تک مفت لازمی تعلیم اور تمام کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیمی فیس میں ۵۰٪ کمی ہے۔ صرف یہ بات طلباء کے لئے آپس میں صحت مند مقابلے کے کسی حد تک مساوی مواقع پیدا کر سکتی ہے۔ اس مطالبے پر عمل درآمد سے پہلے قابلیت کے متعلق کوئی بات بلاشبہ طبقاتی قابلیت کے متعلق بات کرنے کے مترادف ہوگی، اور یقیناً استحصال کرنے والے طبقے کے طلبا کو فائدہ پہنچائے گی اور اس طرح مراعات یافتہ طلباء کو اور زیادہ مراعات پیش کرے گی۔

ذریعہ تعلیم

پاکستان ایک ایسا ملک واقع ہوا ہے جس میں کئی زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن تجاویز میں سفارشات نے اس کو صرف دو زبانوں والا ملک بنا ڈالا ہے۔ یہ بات صاف طور پر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اردو اور بنگالی کے علاوہ مغربی پاکستان میں پنجابی، پشتو، سندھی اور بلوچی زبانیں بھی اپنی اپنی قومیتوں میں بولی جاتی ہیں۔ ان زبانوں کا اپنا کلاسیکی ادب و سرمایہ ہے اور حکومت کی طرف سے حوصلہ شکن، مخالفت کے باوجود یہ زبانیں مسلسل ترقی کر رہی ہیں۔

اردو اور بنگالی زبانوں کو سنہ ۱۹۷۴ء تک ذریعہ تعلیم بنانے اور سنہ ۱۹۷۵ء تک ملک کی سرکاری زبان بنانے کی سفارش کرنا، ایک قابل تعریف اور حقیقت پسندانہ اقدام ہے جو مدتوں سے ہمارا مطالبہ رہا ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے ہمیشہ یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ مغربی پاکستان کی دوسری علاقائی زبانیں مثلاً پنجابی، پشتو، سندھی اور بلوچی کو ترقی دی جائے۔ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے اور انھیں نشوونما دی جائے، تاکہ وہ پاکستان کی زبانوں کے درمیان اعلیٰ مدارج تک پہنچ کر اپنی صحیح جگہ حاصل کر سکیں اور اپنے اپنے علاقوں میں رفتہ رفتہ ذریعہ تعلیم بنتی چلی جائیں۔

نجی تعلیمی اداروں کو قومیانے کا مسئلہ

تعلیمی اداروں کو تجارتی ادارے بنا ڈالنے کی کوشش نے ایک بھدی شکل اختیار کر لی ہے اور اس طرح تعلیم کو بھی ایک جنس تجارت بنا دیا گیا ہے۔ نجی ملکیت کے تعلیمی اداروں کے ہاتھوں استحصال اب شرمناک اور ناقابل برداشت ہو گیا ہے۔ نجی ملکیت کے تعلیمی اداروں کو کسی بھی تجارتی ادارے کے طور پر چلایا جاتا ہے، اس طرح تعلیم کو انتشار اور اضمحلال کا شکار بنا دیا گیا ہے اور اسے منافع کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ نجی ملکیت کے تعلیمی اداروں کو فوری طور پر قومیا لیا جائے۔

غیر ملکی مشنری اسکول اور مدرسے

نئے تعلیمی نظام کے ڈھانچے میں مدرسوں کا شمول ایک جرأت مندانہ اقدام ہے جو دقیانوسی اور قدامت پرست نظام مدرسہ کو اضافی افادیت اور شعور بخش اداروں میں بدل دے گا۔ اور پاکستان کو جدید تقاضے پورا کرنے کے قابل بنائے گا۔

غیر ملکی مشنری اسکولوں اور اداروں کو قومی ملکیت میں لینا، جیسا کہ تجویز میں کہا گیا ہے، درحقیقت ایک دیرینہ مطالبے کو خوشگوار طور پر تسلیم کرنا ہے۔ لیکن غیر ممالک کے زیر اثر چلنے والے سماجی اور ثقافتی اداروں کو قومیانے کا مسئلہ قطعی نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ یہ ایک معروف حقیقت ہے کہ ان اداروں کے ساتھ ساتھ ایسے اداروں کا قومی ملکیت میں لیا جانا بھی ایک اہم اور بنیادی فرض ہے۔

درسی آزادی اور تعلیمی اداروں کی انتظامیہ میں طلبا کی شرکت

یہ تجاویز بڑی دلکش و دلپسند ہیں اور ان طلباء کی ایک یقینی کامیابی ہیں جو اس مسئلے پر ایک عرصے سے آواز اٹھا رہے تھے۔ لیکن اداروں کی انتظامیہ میں طلبا کی شرکت کی ضمانت قطعی طور پر دی جانا ضروری ہے۔ اس مقصد کے لئے اداروں کے سربراہوں اور کم از کم یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کو نمایاں تحقیقی طلبا اور مدرسین ہونے کے علاوہ عظیم ترین اخلاقی سطح، ناقابل شکست کردار، قوم پرست اور آزاد نظریات کے حامل اور آزادی و جمہوریت کی اقدار ہیں یقین محکم کی حامل شخصیت ہونا چاہئے۔ جب تک کہ تعلیمی اداروں کو بے رحم تعلیم فروش طبقے کے نمائندوں مثلاً" اے، ایم قریشی جیسے بلیک مارکٹ اور بلیک میلنگ کرنے والوں کے چنگل سے نہیں چھڑایا جائے گا اس وقت تک یہ تجاویز شرمندۂ عمل نہ ہوسکیں گی۔

تعلیمی پروگرام اور تعلیمی دستے

جہالت اور ناواقفیت کے خلاف جنگ کرنے اور انھیں ختم کرنے کے لئے این۔ ایل۔ سی (N L C) کی بھرتی بلاشبہ اس عظیم چیلنج کا جرأت مندانہ جواب ہے لیکن اس سلسلے میں طریق کار قابل عمل اور حقیقت پسندانہ ہونا چاہیئے۔

سب سے پہلے یہ کہ بھرتی کے لئے عمر کی قید نہیں ہونا چاہئے اور ہر عمر کے طالب علم کو اس پروگرام میں بھرپور شرکت کی اجازت ہونا چاہیئے۔

دوسرے یہ کہ شارٹ سروس کمیشن کے مساوی المعیار فوجی تربیت لازمی ہونا چاہئے۔ اور طلبا کو اپنے شوق کے مطابق، بریہ، بحریہ، اور فضائیہ کے درمیان انتخاب کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ انھیں وسیع اور بنیادی فوجی تربیت دی جانا چاہئے۔ اس طرح ہماری افواج، بہترین قومی عناصر سے فیضیاب ہونے کے مواقع حاصل کرسکیں گی اور طلباء اپنا مستقبل بھی [illegible]ارسکیں گے۔

تیسرے یہ کہ وہ طلبار جو رضاکارانہ طور پر مقصد تعلیم کی خدمت کرنا اور علم وفضل کو دور دور تک پھیلانا چاہتے ہوں انھیں این ایل سی میں پاکستان کے ٹھوس حالات کے تحت بھرتی کیا جائے اور انھیں یہ کام کرنے کیلئے پورا موقع دیا جائے۔ یہ خدمت لازمی نہیں بلکہ قطعی طور پر رضاکارانہ ہونا چاہئے، وہ لوگ جن سے عام طور پر یہ خدمت رضاکارانہ طور پر سرانجام دینے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ وہ معاشرے کے نچلے اور درمیانی طبقات سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی لئے انھیں معقول معاوضہ ملنا چاہئے تاکہ انھیں اور ان کے اہل خانہ کو فاقے نہ کرنے پڑیں۔

یہ تعجب خیز امر ہے کہ جہالت دور کرنے کا پورا بوجھ ان نوجوانوں کے کاندھوں پر ڈال دیا گیا ہے جنھیں جاگیرداروں، اجارہ دار سرمایہ داروں، نوکر شاہی اور سامراج کی طرف سے قوم پر مسلط کردہ تمام برائیوں کی قیمت خود ادا کرنا پڑے گی جبکہ خون چوسنے والے حرام خور عناصر یعنی جاگیرداروں اور اجارہ دار سرمایہ داروں کو جو اس بھیانک صورت حال کے اصل ذمہ دار ہیں بالکل چھوا بھی نہیں گیا ہے۔ جاگیردار اور اجارہ دار سرمایہ دار بچ کر نہیں جاسکتے۔ انھیں بھی اس سلسلے میں بھاری ٹیکس ادا کرنا پڑے گا تاکہ ایک عام طالب علم کو اس قابل بنایا جاسکے کہ وہ اپنی خدمات رضاکارانہ طور پر پیش کرسکے اور اس کے بعد ہی اس سے یہ توقع کی جاسکے گی کہ وہ قوم کو جہالت سے نجات دلانے کے پروگرام میں پورے طور پر حصہ لے،

یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ جہالت جاگیرداری کا ورثہ ہے لہٰذا جہالت کو ختم کرنے کے لئے جاگیرداری کا فوری طور پر خاتمہ کردینا چاہئے ورنہ یہ پروگرام محض سعیٔ لاحاصل ثابت ہوگا۔

مزید کالجوں کی ضرورت

یہ بات حیرت انگیز ہے کہ "تجاویز" میں مشورہ دیا گیا ہے کہ "نہ تو نئے سرکاری کالج کھلنے چاہئیں اور نہ ہی نجی کالجوں کو شروع ہونے کی اجازت دی جائے" حالانکہ تجاویز میں خواندگی کی مہم چلانے کی ضرورت پر شدت سے زور دیا گیا ہے۔ موجودہ کالجوں میں توسیع یقیناً قابل تعریف ہوگی لیکن صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہوگا۔ حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ زندہ لوگوں پر سرمایہ کاری، عمارتوں وغیرہ پر سرمایہ کاری سے کہیں زیادہ بہتر ہے لیکن موجودہ حالات میں جبکہ موجودہ عمارتیں خواہ انھیں کتنی ہی وسعت دی جائے اور استعمال میں لایا جائے طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے لئے کافی نہیں ہوسکتیں تو یہ بات نہ صرف برمحل بلکہ ضروری ہوگی کہ عمارتوں پر بھی صرفہ کیا جائے۔ لیکن بہر طور یہ صرفہ اسی وقت کیا جائے جب ناگزیر ہوچکا ہو۔ لہٰذا مزید کالج کھلنے ہی چاہئیں۔

بلوچستان کا اپنا ثانوی تعلیمی ادارہ اور اپنی جامعہ ہونا چاہئے۔

بی ای B.E اور ایم، بی، بی، ایس۔ M.B.B.S کی طرح ایل ایل بی۔ L.L.B کے امتحان میں طلبار کو انٹرمیجیٹ کے امتحان کے بعد بیٹھنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ اس طرح قانون میں گریجویشن کرنے کے لئے دو غیر ضروری تعلیمی سالوں کا عرصہ کم ہوجائیگا

مختلف یونیورسٹیوں کے قواعد وضوابط میں بھی یکسانیت ہونا چاہئے اور بے ڈھنگے ضوابط کی جگہ آسان قواعد وضوابط بننے چاہئیں ایک مشورہ یہ بھی ہے کہ ایم اے اور ایم، ایس، سی میں بھی سپلیمنٹری امتحانات ہونے چاہئیں۔

اسی طرح ایم بی بی ایس اور بی ای کے لئے سپلیمنٹری قواعد ترتیب دیئے جانے چاہئیں۔

ٹیکنیکل تعلیم

تجاویز میں مزید ٹیکنیکل اور پیشہ ورانہ اداروں کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے اور ۱۹۸۰ء کے لئے ایک ٹارگٹ کا تعین کردیا گیا ہے۔ یہ صحیح سمت میں صحیح قدم ہے۔ لیکن جب تک کافی رقم اس مقصد کے لئے مختص نہ کردی جائے۔ اس پر عمل درآمد کی کوئی ضمانت نہیں!

موجودہ ٹیکنیکل اور پیشہ ورانہ تربیت کی حوصلہ افزائی کے لئے بعض اقدامات تجویز کئے جاتے ہیں جن میں یہ باتیں شامل ہیں کہ پولی ٹیکنک ڈپلومے کو انٹر کے مساوی قرار دیا جائے۔ پولی ٹیکنک کے قواعد ہر سال تبدیل نہ کئے جائیں، ششماہی نظام تدریس پر نظر ثانی کی جائے اور پولی ٹیکنک نظام پاکستان بھر میں یکساں بنایا جائے تاکہ ان طلباء کو جو پہلا اور دوسرا سال مشرقی پاکستان میں پاس کرلیں سالوں کا مغربی پاکستان میں آجانے پر دوبارہ امتحان دینا نہ پڑے

مزید یہ کہ این ای ڈی انجنیئرنگ کے علاوہ ایک انجنیئرنگ یونیورسٹی اور مزید ایک میڈیکل کالج کھلنا چاہئے کیونکہ ان کی شدید ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ پولی ٹیکنک اداروں میں بھی ڈگری کورس شروع کئے جانے چاہئیں، پولی ٹیکنک اداروں کے ڈپلوما یافتگان کو انجنیئرنگ کالجوں اور ٹیکنیکل ڈگری کورسوں میں داخلے ملنا چاہئیں۔

ٹیکنیکل اداروں میں وصول کی جانے والی ٹیوشن فیس بہت زیادہ ہے اس میں معقول کمی کی جانی چاہئے تاکہ غرباء بھی ان اداروں تک پہنچ سکیں۔

تعلیم نسواں

چونکہ مردوں کے مقابلے میں خواتین کے درمیان فیصد تعلیم کی تعداد کم ہے اس

لئے خواتین کی تعلیم پر زیادہ زور دینا چاہئے۔ کیونکہ وہ آبادی کی کم و بیش نصف تعداد بنتی ہیں اور انھیں ان کے حال پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔

جیسا کہ پہلے مطالبہ کیا جا چکا ہے مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے میٹرک تک تعلیم مفت اور لازمی ہونا چاہئے۔

تین سال تک ناکام ہونے والے طلبا کیلئے ڈگری

جو طلبار امتحان میں مسلسل تین سال تک فیل ہوتے رہیں لیکن بعض مضامین میں امتیازی نمبر حاصل کریں انھیں ڈگری عطا کرنے کا اقدام قابل تعریف ہے۔ ایسے بہت سے طالب علم ہیں جو اپنے نصاب میں شامل بعض مضامین کی بنیاد پر جو انھیں لازمی طور پر لیکن خاموشی سے لینے پڑتے ہیں، امتحان پاس نہیں کر سکتے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ بعض مخصوص مضامین میں ہوشیار اور باصلاحیت ہوتے ہیں اور ان مضامین کی جانب ان کا فطری میلان ہوتا ہے۔ ایسی صورتوں میں طلبار کو اس بات کا موقعہ ملنا چاہئے کہ وہ اپنی دلچسپی کے مضامین کا مطالعہ کریں اور اپنے بس سے باہر مضامین کو چھوڑ دیں۔ ایسی صورتوں میں ڈگری عطا کرنا انتہائی قابل تعریف امر ہے۔ اس سے بہت سے باصلاحیت نوجوانوں کو جو موجودہ تعلیمی نظام کا شکار ہیں، اس بات میں مدد ملے گی کہ وہ آگے بڑھیں اور قومی شان و عظمت میں اضافہ کریں۔

اساتذہ کی مشکلات

تجاویز میں اس بات کا بجا طور پر اظہار کیا گیا ہے کہ "استاد کسی بھی تعلیمی نظام کا محور ہوتا ہے۔" نیز یہ کہ "اساتذہ کو قلیل تنخواہیں ملتی ہیں۔" اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تدریس باصلاحیت نوجوانوں کے لئے تمام پیشوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ پیشہ بن گیا ہے۔"

سطور مندرجہ بالا کی روشنی میں یہ ضروری ہے کہ اساتذہ کی تعداد میں معقول اضافہ کیا جائے۔ ان کی تنخواہوں کی شر [illegible] ثانی کی جائے اور انھیں اعلیٰ سطح پر قائم کیا جائے۔ یہ بات سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسے حالات میں جہاں ایک افسر اعلیٰ کار الاؤنس کے طور پر دو یا تین سو روپے وصول کر رہا ہو وہاں اگر اس سے بھی کم تنخواہ استاد کو دی جائے تو استاد سے اپنا "محور کردار" ادا کرنے کی توقع نہیں کیجا سکتی

ملازمت کی ضمانت

باوجودیکہ رپورٹ میں اس حقیقت کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ بیروزگاری وسیع پیمانے پر موجود ہے تاہم اس میں اس کے خلاف کوئی طریقہ، ذریعہ، علاج یا اقدام طے نہیں کیا گیا ہے۔

بے روزگاری مادی افرادی قوت کی عظیم بربادی ہے یہ بے روزگاروں میں بے چینی اور ہراس پھیلاتی ہے ان میں بے اطمینانی اور احساس محرومی پیدا کرتی ہے لہٰذا حکومت کو چاہئے کہ جسمانی طور پر درست پاکستان میں رہنے والے' ہر فرد کے لئے ملازمت کی ضمانت دے لیکن ملازمت کی ضمانت اسی وقت دی جا سکتی ہے جب استحصال پر مبنی موجودہ معاشرتی ڈھانچے کو ایک نئے معاشرتی نظام میں مکمل طور پر تبدیل کر دیا جائے جو استحصال سے پاک ہو۔

تعلیم یافتہ لوگوں کی بے روزگاری کی بنا پر پاکستان سے ایک ذہنی اخراج ہو رہا ہے۔ مدت سے ڈاکٹر، انجینئر، اساتذہ، نرسیں، وکلا، دوسرے ملکوں میں چلے جا رہے ہیں کیونکہ انھیں پاکستان میں جہاں ان کی شدید ضرورت ہے، معقول ملازمتیں مہیا نہیں کی جاتیں۔ تعلیم یافتہ افراد اور ٹکنیکی کام کرنے والوں کا انخلار فوری طور پر بند کرنا چاہئے اور انھیں پاکستان میں مواقع فراہم کئے جانے چاہئیں،

نصابی کتب

طلبار کا ایک اور اہم مطالبہ جو رپورٹ میں شامل نہیں ہے اور جس پر غور نہیں کیا گیا ہے۔ وہ نصابی کتب کی انتہائی کم قیمتوں پر فراہمی ہے تاکہ اکثریت جو بیشتر غربت زدہ طلبار پر مشتمل ہے۔ ان کتب کو خریدنے کے قابل ہو سکے۔ فی الوقت اپنے طبقے کے دوسرے لوگوں کی طرح ناشروں اور کتب فروشوں کو نصابی کتب پر کثیر نفع کما کر منافع خوری کی چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ حکومت کو اس بات کی ضمانت دینا چاہئے کہ نصابی کتب انتہائی کم داموں پر مہیا کی جائیں۔ اس مقصد کی خاطر یہ تجویز ہے کہ ایک سرکاری طباعتی ادارہ ٹھوس اور پاکستان گیر بنیادوں پر قائم کیا جائے اور وہ کتب جو اس وقت دستیاب نہیں ہیں کم قیمت پر مہیا کی جائیں۔

اختتامیہ

آخر میں اس بات کا اظہار بے محل نہ ہوگا کہ پہلے بھی جب کبھی وسیع طلبار تحریک ابھری تو تعلیمی کمیشن بنائے جاتے تھے۔ ۱۹۶۲ء میں تعلیمی کمیشن کی رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ پھر ۱۹۶۵ء میں حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ عوام کے سامنے پیش کی گئی ان تمام رپورٹوں میں ایئر مارشل نور خان صاحب کی تعلیمی تجاویز نے زندگی کے حقائق کو گرفت میں لانے اور مضبوطی سے قدم جمانے کی کوشش کی ہے۔ تعلیمی برائیوں کی ترکیب و تجزیے کی غرض سے یہ تجاویز سچائی اور اصلیت سے زیادہ قریب آئی ہیں لیکن بعض جگہ ان تجاویز میں بھی بہت کچھ کسر رہ گئی ہے اور بعض جگہ حقائق سے آنکھیں چرائی گئی ہیں۔ سابقہ تعلیمی نظام کی ناکامی کے طول طویل تجزیئے میں کسی جگہ بھی معاشرے کے طبقاتی کردار کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا ہے جو کہ پاکستان میں عوام کی جہالت اور ناخواندگی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ تعلیمی نظام میں جو تبدیلیاں تجویز کی گئی ہیں ان کا مقصد موجودہ معاشرے کو ختم کر کے ایک نئے معاشرے کی تخلیق کرنا نہیں ہے۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے ماضی میں بھی تعلیمی کمیشن بنے ہیں لیکن چونکہ یہ کمیشن جڑوں پر وار کرنے میں بری طرح ناکام رہے۔ لہٰذا ان کی تجاویز بے حد ڈھنڈورا پٹنے کے باوجود وقت کی کسوٹی پر پرکھ میں ناکام ہو گئیں نتیجتاً ہر جانشین تعلیمی کمیشن نے اپنے پیش رو کی تمام تجاویز کو رد کر دیا اور ایک اور نئی عمارت کھڑی کرنیکی کوشش کی جو خود بھی بوقت آزمائش ڈھے گئی۔

اس غرض سے کہ ان تجاویز کا بھی آئندہ بننے والے کمیشنوں اور مصلحین کے ہاتھوں ایسا ہی حشر نہ ہو بلکہ عوام ان کو سنبھال کر رکھیں اور ان کی مدافعت کریں یہ ضروری ہے کہ تعلیمی نظام کی جڑیں گہری ہوں۔ انقلابی اقدامات کے بغیر نظام میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس مقصد کے لئے جاگیرداری کا مکمل طور پر خاتمہ ایک لازمی اور اولین ضرورت ہے۔ ہائی اسکول تک مفت تعلیم دینے کے اقدامات بھی کئے جانے چاہئیں۔ تیسرا اہم ترین اور ناگزیر عمل بجٹ سے تعلیم کے لئے مزید فنڈ کی مستقل تخصیص ہے۔ ان اقدامات کے بغیر یہ تمام کی تمام تجاویز بار آور نہ ہوں گی۔

یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ سفارشات پر عمل درآمد کے لئے فوری طور پر ایک مؤثر مشینری قائم کی جائے جو مدت کار کا تعین کرے اور اس یقینی مدت کے اندر مؤثر طور پر نظام اوقات کے مطابق عمل درآمد کرائے۔

ہوچی منہ

حزیں لدھیانوی

ہوچی منہ زندگی کا سہارا تھا تو
ظلم خاشاک ہے اور شرارا تھا تو
اس نظامِ کہن کی سیہ رات میں
جگمگاتا ہوا اک ستارا تھا تو
کر دیئے غرق تو نے جہازِ ستم
تند طوفان تھا، تیز دھارا تھا تو
ہاں مساوات کی کشتیوں کے لئے
ناخدا تھا، صبا تھا، کنارا تھا تو
اپنے مرکز پہ قائم رہا عمر بھر
گردشِ وقت میں قطب تارا تھا تو

تیرے بیٹے تری نوجواں بیٹیاں!
زخم کھا کر لہو میں نہاتے رہے
مینہ کی طرح برستی رہیں گولیاں
ہو کے سینہ سپر مسکراتے رہے
آتش افشاں ہوئے جب بھی "نیپام بم"
اپنے اعضاء کی مشعل جلاتے رہے
گو فضاؤں سے آتش برستی رہی
پھر بھی پھول آگ میں مسکراتے رہے

تیرے دل میں ہمیشہ رہی موجزن
اک نئی صبح کی برتری کی لگن
سالہا سال سیلِ شبِ تار سے
جنگ کرتی رہی روشنی کی لگن
لاکھ چلتی رہیں موت کی آندھیاں
دل میں روشن رہی زندگی کی لگن

ہوچی منہ تجھ کو بے چین کرتی رہی
عمر بھر عظمتِ آدمی کی لگن

موت آئی تجھے، تو امر ہو گیا
مٹ سکے گا نہ تا حشر مسلک ترا
تیرے عزم و عمل کا ہے یہ معجزہ
ہوچی منہ ہر بشر ہے ترے دیس کا
لاکھ روکیں اسے سامراجی خدا
اب رکے گی نہ یہ حریت کی ہوا
شب گزر جائے گی اور سحر آئے گی
آج روکے رکے گا نہ یہ ارتقا

سامراجی خدا سارے مر جائیں گے
تیرے بیٹوں کے چہرے نکھر جائیں گے

سید نجم الحسن رضوی

آخری تصویر

نگار خانے میں آج پھر تصویروں اور عورتوں کی نمائش ہو رہی تھی لہٰذا ایسے موقع پر وہاں اہلِ ذوق کا نہ ہونا کیونکر ممکن تھا۔ شائقین کا ہجوم تھا اور نگار خانے کے منتظمین خوش تھے کہ ان کی محنت رائیگاں نہ گئی تھی مصوّر تو مسرّت سے پھولا نہ سماتا تھا۔ ایسے موقعوں پر ہی تو اسے اپنی اہمیت کا احساس ہوتا تھا۔ ویسے بھی وہ کوئی معمولی مصوّر نہ تھا۔ اس کی شہرت کا آسمان بین الاقوامی سرحدوں پر پھیلا ہوا تھا اور اس کی تصویروں کی نمائشیں دنیا کے مشہور ترین شہروں میں منعقد ہو کر تہلکہ مچا چکی تھیں وہ نقادوں کی زبان میں درجہ اوّل کا مصوّر خواتین کی نگاہ میں قبول صورت فنکار اور اصحابِ نظر کی رائے میں قابلِ رشک آدمی تھا۔ مصوّر نے نگار خانے کو اپنی تازہ ترین تصاویر سے سجایا تھا۔ ان تصاویر میں اس نے اپنے خونِ جگر سے زندگی کے مختلف رخ پیش کئے تھے جن میں انسان کے جیتے جاگتے لمحات کو رنگوں کی سطح پر منجمد کر دیا گیا تھا۔ ہر نقش پر مصوّر کے دستخط ثبت تھے اور تصویر کا عنوان بھی وضاحت سے لکھا ہوا تھا۔ مصوّر کو اس نمائش کی کامیابی کی اتنی توقع نہ تھی کیونکہ اپنے شہر بلکہ اپنے وطن میں ان تصاویر کی یہ پہلی نمائش تھی اور درونِ ملک اس کی شہرت بیرونِ وطن سے برآمد ہوئی تھی۔ اسی لئے نگار خانے کے منتظمین نے اس نمائش کا افتتاح ایسی معزز ہستی کے مبارک ہاتھوں سے کرایا کہ جس کے نام سے اہلِ دانش کو محبت تھی۔ یہ ترکیب بھی خاصی کارگر ثابت ہوئی اور معزز مہمان کے طفیل نگار خانے کی یہ شام بیحد رنگین اور بڑی یادگار ہو گئی۔ معزز مہمان نہ صرف اپنی ادب پروری اور فنونِ لطیفہ کی سرپرستی کیلئے مشہور تھے بلکہ انھیں نقش گری سے بھی خاصا لگاؤ تھا اور کسی قدیم زمانے میں خود انہوں نے مصوّری کے اعلیٰ "تجریدی" شاہکار تخلیق کئے تھے۔ معزز مہمان کی آمد سے اس نمائش کو چار چاند لگ گئے اور اس کی اہمیت ذاتی سے اجتماعی اور نجی سے سرکاری ہو گئی۔ چونکہ معزز مہمان کے ساتھ نامور ہستیوں اور اعلیٰ شخصیتوں کا ایک قافلہ آیا تھا لہٰذا نگار خانے کے باہر سڑک پر دور دور تک پولیس کا پہرہ تھا، باوردی سپاہی اور ٹریفک کے حکام نگار خانے میں فن کی ترقی کیلئے پُرسکون فضا تیار کرنے میں مصروف تھے۔

باہر کے سکون سے اندر کے ہنگامے کو فروغ ہوا اور تالیوں کی گونج، سُرخ پھولوں کی برسات اور جھلملاتی، جگمگاتی روشنیوں کے بیچ میں معزز مہمان نے تصویروں کی نمائش کا افتتاح کیا۔ رنگ و بو کا سیلاب امڈا۔ گیلری میں آویزاں تصویریں شائقین کی کثرت سے شہد کا چھتہ بن گئیں اور حاضرین ایک کے بعد دوسری تصویر سے گزرتے ہوئے مصوّر کی مشاقی، اس کی فنّی چابکدستی، رنگوں کی علامت اور موضوع کی اہمیت کے قائل ہوتے چلے گئے۔ نقادوں نے جھٹ تنقید کا سوئمنگ سوٹ پہنا اور رنگوں کے سمندروں میں تحقیق کے غوطے لگانے پر تیار ہو گئے۔ صحافیوں نے معزز مہمانوں کی سرگوشی کو طشت ازبام کرنے کا عہد کر لیا اور فوٹو گرافروں نے پرجوش خواتین کی ہر کیفیت ہر ادا اور ہر انداز کو محفوظ کرنے کے فرائض سنبھال لئے۔ مصوّر کو حاضرین کی جانب سے وقتاً فوقتاً اس کے فن کی داد ملتی رہی۔ معزز خواتین و حضرات اگر ایک طرف فن کی طرف متوجہ تھے تو دوسری جانب فنکار کی طرف سے بھی غافل نہیں تھے۔ جو تصویریں بے زبان نہیں ہو گی اس کی داد نہ دینا تو خیر فراخدلی سے بعید تھا مگر جہاں تصویر ان کے شعور کی محراب سے بلند ہوتی وہاں بھی وہ مصوّر سے تصویر کے موضوع پر تبادلۂ خیال کرنا ضروری سمجھتے تھے پھر بھی اسے بہتر تصویر سے زیادہ نصف بہتر کی داد ملتی رہی کیونکہ مصوّر کی بیگم تو خود ایک تصویر تھیں اور پھر مصوّر کے فن پر ان کی نظر ایسی محققانہ تھی کہ لوگوں کو مصوّر کی بیگم سے مصوّر کی خوش ذوقی کا اندازہ ہوا۔ ویسے تو مصوّر بھی دیکھنے میں بُرا نہ تھا اور پھر اس کی مصوّری! اس کے گرد پرستاروں کا ہجوم کبھی کم نہ ہوا۔ صحافی، نقاد کالج کے لڑکے، فیشن زدہ نوجوان، پرکشش لڑکیاں، اور ترقی یافتہ خواتین! جب بیگم ساتھ ہوتیں تو لوگ مصوّر سے اس کے فن کی پابندیوں پر تبادلۂ خیال کرنے کی کوشش کرتے اور جب بیگم ساتھ نہ ہوتیں تو سادہ دل خواتین مصوّر سے فن کی آزادی پر گفتگو ضروری سمجھتیں۔

ایک خاتون نے دورانِ گفتگو پوچھا۔ "میں معلوم کر سکتی ہوں کہ آپکا نظریہ فن کیا ہے؟"

مصوّر نے خوش مزاجی سے کہا۔ یہ تو بڑا مشکل سوال ہے۔ تفصیل میں جاؤں تو بہت سی باتیں کہنی پڑیں گی لہٰذا مختصراً اپنی تسکین کی خاطر

یہ سمجھ لیجئے کہ ع

سیکھے ہیں مہ وشوں کے لئے ہم مصوری !

خاتون بولیں۔ پھر تو خدا کا شکر ہے کہ آپ تجریدی فنکار نہ ہوئے ورنہ ۔۔۔۔

مصور نے مسکرا کر کہا۔ ورنہ کیا ہوتا ؟

خاتون اٹھلا کر بولیں ۔۔ ورنہ خواتین آپ سے خفا رہتیں اور بیگم سے تو آپ کی روز ہی جنگ رہتی۔ تجریدی تصویروں سے آپ سب کو مبہوت کر سکتے ہیں کسی کو خوش نہیں کر سکتے۔

مصور نے کہا۔ میں صنف نازک کا ستم خاموشی سے سہہ لیتا ہوں مصوری کو انتقام کا ذریعہ نہیں بناتا۔ تجریدی مصوری اچھی صورتوں سے انتقام لینے کی آسان ترکیب ہے۔

صحافی مصور سے باتوں ہی باتوں میں انٹرویو لینے کی فکر میں تھے اور بہلا پھسلا کر اس کے ذاتی راز اگلوانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک صاحب نے فرمایا ۔

معاف کیجئے گا آپ مجھے حسن فطرت کے اسیر نظر آتے ہیں آپ کی وہ تصویر جس میں کانٹوں کی باڑھ پر سورج کھلا ہوا ہے اور ستاروں کے شگوفے آنکھیں جھپکا رہے ہیں، اس فکر کی ترجمان ہے کہ ہر مقام پر حسن کا وجود ممکن ہے اور اس کی آنکھ بیدار ہے۔ !

ایک حضرت بولے ۔ اور ہاں جناب آپ کی تصویر نمبر دو جس میں صحرا پر بنت حوا کے چہرے کا عکس پڑ رہا ہے کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ مایوسیوں کے ہجوم میں حسن کا پرتو امید کی روشنی سے کم نہیں میرا خیال ہے یہ چہرہ خود آپ کی زندگی میں داخل ہے میرا اشارہ آپ سمجھ رہے ہوں گے اور میرا خیال ہے کہ ہر عظیم فنکار کی ہر عظیم تخلیق کچھ ایسے ہی لافانی چہروں کے عکس کی مرہون منت ہوتی ہے۔

مصور نے کہا۔ میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں اب آپ یہاں وہی پرانی بات دہرائیں گے کہ لیونارڈو کو مونا لیزا نے زندہ کیا ہے۔ !

انہوں نے کہا ۔ بالکل درست اب میں اس تصویر کو کیا سمجھوں کہیں یہ آپکی بیگم کے چہرے کا عکس تو نہیں ؟

ایک صاحب نے فرمایا ۔ اور وہ تصویر نمبر تین جس میں گہری دھند سے ابھرتی ہوئی دو روشن آنکھیں وہم و گمان کے مقابلے میں علم و ایقان کی غماز ہیں کہیں یہ آنکھیں آپ کی بیگم کی تو نہیں؟

مصور نے ہنس کر کہا ۔ معاف کیجئے، میری بیگم مجھے آنکھیں نہیں دکھاتیں۔

کچھ حضرات نے مصور کے فن کو اس کی بیگم کی نظر سے جانچنا زیادہ مناسب خیال کیا پھر انہوں نے نمائش کے ایک گوشے میں مصور کی بیوی کو برائے "تفتیش" روک لیا۔ بیگم سے سوالات کی نوعیت کچھ اس قسم کی تھی جن سے بیگم کی شخصیت اور مصور کے فن پر ایک ساتھ روشنی پڑتی تھی۔

ایک صاحب نے سوال کیا ۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اپنے شوہر صاحب کو مصور بنانے میں آپ کا کتنا حصہ ہے۔؟

بیگم نے کہا ـــ بخدا اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں وہ شادی سے قبل ان کاموں میں پڑ چکے تھے بلکہ ان کی مجھ سے شادی کی ایک وجہ یہ بھی ہے، مجھے ان کا فن پسند ہے۔ ایک صاحب نے پوچھا ۔ مصور صاحب کے مشاغل اور آپ کی خواہشات میں تصادم تو نہیں ہوتا۔

بیگم نے کہا ـــ نہیں، یہ آپ کو کیوں کر گمان ہوا ؟

انہوں نے فرمایا ۔ بات یہ ہے کہ بیویاں عام طور پر اپنے شوہروں کی مصروفیات سے بیزار اور نالاں رہتی ہیں تعجب ہے کہ آپ کو ان کی مصوری راس آگئی !

جواب میں بیگم نے ایک شرمیلا قہقہہ لگایا تو انہوں نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ محنت وصول ہوئی اور اس قہقہے کو بھی لفظوں کی پٹی میں لپیٹ کر اپنے اخبار کے لئے محفوظ کر لیا۔

پھر کچھ اور سوالات کی بوچھار ہوئی مثلاً بیگم صاحبہ کو کون کون سے کھانے پکانے میں ید طولیٰ حاصل ہے، مصور کن کھانوں سے چڑتے ہیں انہیں دال کیسی لگتی ہے ؟ مرچوں کا کتنا شوق ہے۔ نرگسی کوفتوں سے کتنی رغبت ہے اور چقندر سے تعارف ہے کہ نہیں وغیرہ وغیرہ، پھر کچھ ایسے سوالات کہ بیگم صاحبہ کو سوئٹر بننا آتا ہے اور اگر آتا ہے تو اس سے مصور کی ذات کو کیا فائدہ پہنچا ہے، مصور کا تازہ ترین سوئٹر انہوں نے کتنے دنوں اور گھنٹوں میں بُنا اس کے علاوہ مصور کو دن میں کتنی چھینکیں آتی ہیں، کھانسنے اور کھنکارنے کا کتنا شوق ہے وغیرہ وغیرہ، صحافیوں کے سوالات کا خزانہ خالی ہوا تو نقادوں کی باری آئی اتنی دیر میں وہ مصور کے فن کا سروے تقریباً مکمل کر چکے تھے، مصور کے لئے یہ کڑا مرحلہ تھا اس لئے کہ نقاد حضرات اس کی تصویروں کے عیوب و محاسن پر مفصل بحث پر تل گئے تھے۔ ایک صاحب نے عینک کے شیشے صاف کرتے ہوئے ارشاد کیا محترم آپ بتائیں گے کہ آپ کی تصویر "الوداعی بوسہ" میں جس میں ایک لڑکا ایک بوڑھے کی پیشانی چوم رہا ہے۔ لڑکے کے چہرے پر بوڑھے سے زیادہ جھریاں ہیں اس کا کیا مطلب ؟ کیا یہ نئی نسل کے اضمحلال کی علامت ہے اور آپ کی تصویر عروس البلاد کی رات میں عمارتوں کے چہرے سرخ نیون سائن کے ہجوم سے لہو لہان ہیں کیا آپ نے شہر عظیم کی رات کو واقعی زخموں سے چور دیکھا ہے ؟

پھر فن کی باریکیوں پر گفتگو شروع ہوئی۔ ایک نقاد نے کہا، مجھے آپ کے یہاں یہ خصوصیت نظر آتی ہے کہ آپ لمبے خطوط کے قائل نہیں معلوم ہوتے آپ کی چھوٹی چھوٹی اور باریک لکیریں اور ہلکے ہلکے اسٹروک تصویر میں حدود کا تاثر پیدا کرتے ہیں ایک صاحب نے فرمایا، اور آپ کو نیلے رنگ سے خاص

رغبت معلوم ہوتی ہے کیونکہ عموماً تصویروں میں آپ نے اس رنگ کو مرکزی حیثیت دی ہے۔

ایک صاحب بولے۔ برش کے ساتھ ساتھ آپ کا نائف ورک بھی بےحد پرکشش ہے پھر وہ اپنی بات میں مزاح کی چاشنی پیدا کرکے بولے۔

خدا کرے آپ اپنی تصویروں میں اور زیادہ چاقو چلائیں!

ایک اور پائے کے نقاد قریب ہی کھڑے تھے انہوں نے یہ فقرہ فوراً اُچک لیا بولے، چاقو؟ فنکار کے ہاتھوں میں برش ہو قلم ہو یا چاقو ہر اوزار کی جنبش سے فن کی تخلیق ہوتی ہے مجھے یقین ہے کہ مصور صاحب موقلم چھوڑ کر اگر گلہری کی دم سے تصویریں بنانے کا بیڑا اٹھالیں تو بھی ان کے فن کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔

ایک صاحب نے شکوہ کیا کہ آپ مجسمہ سازی کی جانب کیوں توجہ نہیں دیتے؟ پتھر آپ کے ہاتھ میں آئے تو موم ہو سکتا ہے۔!

مصور کی بیگم نے خوش ہو کر کہا۔ اوہو مجسمہ سازی! دراصل انہیں مصوری سے زیادہ لگاؤ ہے حالانکہ میری بھی یہی خواہش ہے کہ یہ مجسمہ سازی کی طرف بھی کچھ توجہ دیں انہوں نے اگر میری بات نہیں مانی تو میں خود یہ فن سیکھنے کی کوشش کروں گی۔

ان صاحب نے مصور کی بیوی کی روشن آنکھوں میں جھانکا اور پھر زیرلب کہا۔ اجی آپ تو اگر کسی پتھر کو ایک نظر بھر کے دیکھ لیں تو وہ موم ہو جائے!

ایک صاحب آدھ گھنٹے تک مصور سے صرف یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ اسے پکاسو نے کتنا بگاڑا ہے؟ تجریدیت میں اس کا کس قدر ایمان ہے اور کیوبزم سے اسے کتنی دلچسپی ہے؟

مصور کی تقریباً ساری ہی تصویریں پسند کی گئی تھیں آخری تصویر نے تو گویا قیامت برپا کر دی تھی اسے سب نے دیکھا اور پسند کیا اس تصویر کا عنوان تھا "اشرف المخلوقات"۔ یہ ایک نیم برہنہ فقیر کی تصویر تھی جس کے بال بڑھے ہوئے تھے، داڑھی سینے پر آویزاں تھی اور بدن پر چیتھڑے چپکے ہوئے تھے۔ یاس کی گہری پرچھائیوں نے اس کے چہرے کو سنولا دیا تھا۔ اس کے پاؤں سے خون رس رہا تھا۔ اس تصویر کو مکمل خطوط کے بجائے محض نقطوں سے بنایا گیا تھا۔ یہ تصویر اس نمائش کی سب سے اچھی تصویر قرار پائی۔ ایک صاحب نے خاص صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

اس تصویر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ سمجھ میں آتی ہے۔

ایک بھاری بھرکم نقاد نے اعلان کیا کہ اس تصویر میں مصور کی حقیقت پرستی اپنے پورے عروج پر ہے بوڑھے فقیر کا حزن، اس کی بیچارگی اس کی شکستہ پائی سب اس تصویر میں ایسی بھرپور ہے کہ اسے تصویر کہنے کو جی نہیں چاہتا۔ معزز مہمان جو خود بھی بڑے پائے کے "آرٹ کریٹک" تھے بولے، جناب اس تصویر میں یاس کی انتہا کو، افلاس کی شدت کو، آدمی کے کرب کو اور روح کی تھکاوٹ کو نہایت نفاست اور مشاقی سے نقش کیا گیا ہے جس سے مصور کے انتہائی باکمال ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ پھر حاضرین میں سے ایک صاحب نے جو ایک بہت بڑے ہوٹل کے مالک تھے اسے خریدنے کی خواہش ظاہر کی۔ منتظمین نے کہا، بسم اللہ، مگر ہمارا طریق کار ذرا مختلف ہے۔ یہ تصویر نیلام کی جائے گی اور اس کی ساری آمدنی مصور کی خواہش کے مطابق کسی سماجی بہبود کے ادارے کو دی جائے گی۔ بڑی عمدہ تجویز تھی، اسے سب ہی نے پسند کیا۔ پھر تصویر کا نیلام شروع ہوا تمام حاضرین بلکہ خود معزز مہمان نے نیلام میں حصہ لیا۔ بولی پانچ سو سے شروع ہوئی اور دس ہزار تک جا پہنچی۔ دس ہزار روپے میں یہ تصویر ایک بینک ڈائرکٹر کے حصے میں آئی۔ ڈائرکٹر صاحب کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی انہوں نے ایک نامور مصور کا شاہکار صرف دس ہزار روپے کے عیوض خرید لیا تھا۔ موصوف نے فرمایا کہ یہ تصویر بینک کے کانفرنس روم میں آویزاں کی جائے گی تاکہ بینک کے تمام ملکی و غیر ملکی مہمان ہمارے فنکار کے اس لاثانی شاہکار سے محظوظ ہو سکیں۔ نمائش کے فوراً بعد ضیافت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ معزز مہمانوں کو نگارخانے کے سبزہ زار پر دعوت دی گئی۔ دعوت کے دوران بھی مصور، صحافیوں اور نقادوں کے درمیان گھرا رہا اور کالج کی لڑکیاں اپنی خوبصورت آٹوگراف بک لئے بدستور اس کے ضبط نفس کا امتحان لیتی رہیں۔ دوسری جانب مصور کی بیگم جو صحافیوں میں بڑی مقبول تھیں ان کی چھان بین میں مدد کرتی رہیں اور ان کے تمام سوالات کے تسلی بخش جواب دیتی رہیں۔ زیادہ تر سوالات مصور ہی کے متعلق تھے مثلاً آپ کون سنٹ استعمال کرتی ہیں کیا اسے مصور بھی پسند کرتے ہیں۔؟ آپ کو کونسی کیوٹکس اچھی لگتی ہے اور کیوں؟ آپ کی ہلکی لپ اسٹک کی جانب مصور کا رویہ کیا ہے۔؟

عین اس وقت جبکہ یہ تمام خوش فکر حضرات ضیافت کی رنگینیوں میں گم تھے نگارخانے کے گیٹ پر کچھ شور ہوا پھر اچانک ایک نیم برہنہ دیوانہ جس کے بالوں میں خاک تھی اور داڑھی بےترتیبی سے پھیلی ہوئی تھی تیزی سے اندر گھس آیا اس کی کیچڑ بھری آنکھوں میں سرخ ڈورے تیر رہے تھے، اس کے تیور بگڑے ہوئے تھے اور ارادے کچھ خطرناک تھے مگر نگارخانے کے گیٹ پر مستعد باوردی سپاہی فوراً حرکت میں آ گئے اور چند لمحوں کی کوشش کے بعد اسے زبردستی نگارخانے کے احاطے سے باہر نکال دیا گیا پھر پولیس والے اسے بالوں سے گھسیٹتے ہوئے ایک طرف لے گئے جہاں تھپڑ، گھونسوں اور سرکاری ڈنڈوں سے اس کی تواضع کا معقول انتظام تھا۔

اس غیر متوقع ہنگامے سے ضیافت میں تھوڑا سا خلل پڑا لیکن اصل واقعے کا بہت کم لوگوں کو علم ہو سکا۔ مصور جو بہت دیر سے صحافیوں اور نقادوں

محمد الیاس

ریاستی جاگیرداری

کے آخری ستون بھی ڈھے گئے

آخری وقت میں نوکر شاہی اور کچھ پریس کے اجارے داروں کی فوجیں اکٹھا کرنے کی جان توڑ کوششوں کے باوجود حکومت نے آخر کار پہاڑوں سے گھری ہوئی سرحدی ریاستوں چترال، دیر اور سوات کو ختم کر کے مغربی پاکستان میں ضم کر دینے کے فیصلہ کا اعلان کر دیا۔

اس اعلان کا عوام نے بڑے پیمانے پر خیر مقدم کیا ہے جو اس طویل جدوجہد کا نتیجہ ہے جس میں کہ سوات کے عوام نے نمایاں کردار ادا کیا

گزشتہ چند ہفتوں سے جوں جوں تحریک نے شدت اختیار کی اور اس کا مرکز راولپنڈی منتقل ہوا تو کچھ اخباروں نے سوات کی بادشاہت کو "فیض رساں جاگیرداری" کے خوبصورت خطاب سے نوازنا شروع کر دیا تھا۔ کچھ افسران کے بارے میں یہ افواہ بھی تھی کہ انھوں نے برطانوی نوآبادیاتی نظام کے اس "آثار قدیمہ" کے قائم رہنے کا جواز پیش کرنے کی کوشش کی تھیں۔ یہ ان "اخباری مجاہدین" کا احساس شکست ہی ہے کہ جہاں انھوں نے دستوری معاملہ پر صدر یحییٰ خاں کی رائے پر کچھ سیاسی عناصر کی ناراضگی کو اچھالا وہاں انھوں نے ریاستوں کے انضمام پر عوام کے جوش و خروش کے تاثرات کو دبایا۔

یہ ۱۲ ہزار مربع میل سے زیادہ علاقہ ہے جو کہ ایسی بلند پہاڑیوں پر پھیلا ہوا ہے جس میں کی اکثر تو سیدھی بیس ہزار فٹ سے بھی اوپر چلی گئی ہیں اور ان کے نیچے زرخیز وادیاں ہیں جن میں اُبلتے ہوئے چشموں سے سیراب ہونے والے دھان کے کھیت اور باغیچے ہیں۔ یہ ریاستیں جن کی آبادی ساڑھے بارہ لاکھ افراد پر مشتمل ہے مغربی پاکستان کے شمال میں جنگی اہمیت کی حامل ہیں

چترال اور دیر کی سرحدیں افغانستان سے ملتی ہیں۔ چترال کا انتہائی شمالی علاقہ افغانستان اور روس سے ملنے والی سرحدوں سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ ۱۹۶۰ء میں ہندوستان کے گوا پر قبضہ کے وقت افغانستان حکومت نے دیر میں باجوڑ کے مقام سے پاکستان میں گھسنے کی کوشش کی تھی۔ وہ حملہ پاکستانی فوج نے فوراً ہی پسپا کر دیا تھا۔ اس کے بعد انتہائی غیر معقول حکمراں نواب شاہجہاں کو کابل کے حکمرانوں کے ساتھ سازش کرنے کی وجہ سے ہٹا دیا گیا تھا اور اس کی جگہ اس کے بیٹے شہزادہ خسرو کو لایا گیا تھا۔ لیکن ریاست کے معاملات کا سارا کنٹرول وہاں کے پولیٹیکل ایجنٹ کے ہاتھ میں رہا جو کہ شہزادہ کا وزیر اعظم بھی ہے۔ یہ بات دلچسپی کا باعث ہے کہ گزشتہ ملک گیر تحریک کے زمانہ میں دیر میں جو مظاہرے ہوئے وہ سیاسی حکام کے خلاف تھے شہزادہ کے خلاف نہیں تھے۔

اسی طرح چترال میں بھی مہتار (حکمراں کا خطاب) برائے نام سربراہ ہوتا ہے اور در اصل حکومت پاکستان کا مقرر کردہ چیف ایڈوائزر ہی اس کے نام سے ریاستی انتظام چلاتا ہے۔

حقیقت میں ان دونوں ہی ریاستوں کے حکمرانوں کے پاس برائے نام اختیار ہوتا تھا اور اگر یہ دقیانوسی جاگیرداری نظام وہاں رائج رہا ہے تو اس کی وجہ آتے رہنے والی حکومتوں کو ان کی موجودہ حالت میں تبدیلی کرنے کی خواہش کرنا ہے۔ یہ بات عام طور پر سمجھی جاتی ہے کہ ان دو بادشاہوں کو صرف اور صرف اس وجہ سے باقی رکھا گیا تھا کہ سوات کے وجود کو برقرار رکھنے کا جواز پیش کیا جا سکے کیونکہ سوات کے حکمراں سابق صدر ایوب خاں کی دو لڑکیوں کے خسر ہیں۔

سوات کے پاس چار ہزار مربع میل کا رقبہ ہے اور آبادی سات لاکھ ہے۔ یہ ریاست ۱۹۱۹ء میں موجودہ والی کے والد میاں گل گل شہزادہ سر عبدالودود نے برطانوی وائسرائے کی بخشش سے قائم کی تھی۔ بعد میں اسے برطانوی حکومت سے نائٹ کا خطاب مل گیا تھا۔

اس نے ریاست کو کس طرح ہتھیایا یہ ایک عجیب و غریب کہانی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے بھولے بھالے سواتیوں کی خوش اعتقادی اور اوہام پرستی کو استعمال کرتے ہوئے پہلے ایک مذہبی دیوتا کا روپ دھارا۔ اس بھیس میں...... وہ دھوکہ، فریب، چالاکی اور بے رحمی کے تمام حربے اختیار کر کے اس خوبصورت وادی اور اس کے قدرتی وسائل کا مالک اور ریاست کے عوام کی قسمتوں کا مختار بن بیٹھا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جبکہ بر صغیر میں عوام نے برطانوی نوآبادیاتی نظام کے خلاف جدوجہد آزادی شروع کی تھی اور اس کو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد سنگین ترین صورت حال کا سامنا تھا۔

اپنا مقصد پورا ہونے کے بعد سر عبدالودود نے اپنے تمام با اثر حمائتیوں کا صفایا کرنا شروع کیا اور اس سلسلے میں سینکڑوں لوگوں کو بیدردی کے ساتھ قتل کرایا۔ قتل و غارت گری کے اس نشہ میں اس نے اپنے بھائی تک کو نہیں چھوڑا اور اسے اس کے بیٹے سمیت قتل کرا دیا۔

آزادی کے بعد موجودہ والئی میجر جنرل میاں گل جہاں زیب نے پاکستانی فوج کے اس وقت کے کمانڈر انچیف محمد ایوب خاں سے رشتہ استوار کیا۔ بظاہر یہ انتہائی عجیب معلوم ہوتا تھا کہ والئی نے جو کہ بہت مغرور سمجھا جاتا تھا اپنے ولیعہد شہزادہ اورنگ زیب کی شادی کے لئے ایوب کے خاندان کو منتخب کیا کیونکہ ایسے جاگیردار گھرانوں کی کوئی کمی نہیں تھی جن کے پاس اس سے بھی زیادہ بڑی جاگیریں ہوں اور یہ جاگیردار معاشرے میں رشتہ ناطہ کرنے کا بھی ایک حقیقی معیار ہے۔ والی کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اس وقت میدان میں موجود برسر اقتدار اور اقتدار سے باہر سیاست دانوں میں کوئی بھی اس قابل نہیں ہے کہ زیادہ عرصہ قائم رہ سکے۔ اس لئے اس نے ایوب سے اس بات کی توقع قائم کی کہ

اس کی بادشاہت کو دوام ملنے کی یقینی ضمانت مل جائے۔ اور یہ ان کی "جمہوریت سے محبت" اور "نظریۂ پاکستان سے لگاؤ" کا ہی اقدام ہے کہ چودھری محمد علی (جو کہ اس وقت نظم و نسق سنبھالے ہوئے تھے) اور دوسرے سیاستداں اپنے کمانڈر انچیف کو مغربی پاکستان کے بدنام زمانہ جاگیرداروں بشمول والئ سوات کے ساتھ غرق مے ناب دیکھ کر چشم پوشی کرتے تھے۔ ون یونٹ کے قیام کے بعد تمام دوسری ریاستوں کے خاتمہ کے بعد بھی ریاست سوات کو باقی رکھا گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ ایوب نے والی کا مرتبہ بھی بڑھایا اسے میجر جنرل کے عہدہ پر ترقی دی اور اسے ہز ہائی نیس کا خطاب دیا۔

سوات کے حکمرانوں نے اس قدر ظالمانہ طریقہ سے حکومت کی ہے کہ اس کی حکمرانی کو جائز قرار دینے کے لئے اس کے حمائتیوں کے دیئے ہوئے "فیض رساں جاگیرداری" کے خطابات ریاستی جاگیرداری کے مظالم اور عوام کے استحصال کو چھپا نہیں سکتے تھے۔

عوام صحیح الزام لگاتے ہیں کہ والئ عجیب و غریب طریقہ سے حکمرانی کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ قانون ہوتا ہے اور اکثر وہ خود اپنے احکام اپنی مرضی و منشا کے مطابق منسوخ کر دیتا ہے۔

گذشتہ بیس برس میں ریاست کی مال گذاری کے کروڑوں روپے مبینہ طور پر اس نے فضول خرچیوں میں ضائع کئے ہیں۔ حال ہی میں جبکہ اس نے دو کروڑ روپیہ کے ریاستی بجٹ کا اعلان کیا تو سواتی تحریک آزادی کے کنوینر خان آفریں خاں نے اسے ایک دھوکہ قرار دے کر مسترد کر دیا اور الزام لگایا کہ ریاست کی اصلی سالانہ آمدنی کم از کم پانچ کروڑ روپیہ ہے۔

یہ بھی الزام لگایا گیا ہے کہ حکمران خانداں نے دولت کے تمام وسائل پر اجارہ داری قائم کر رکھی ہے جس میں ہزاروں ایکڑ زرخیز زمین، جنگل اور زمرد کی کانیں شامل ہیں۔

انھوں نے کہا ہے کہ کچھ عرصہ پیشتر ریاستی حکمرانوں نے ایک ائیرپورٹ کے نام سے زمین کا بڑا رقبہ برائے نام قیمت پر حاصل کیا تھا لیکن بعد میں سابق صدر ایوب کو دے دیا گیا۔

پریس کانفرنس میں بتائی ہوئی وہ کہانیاں بھی بہت دلچسپ ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح والی نے ان کانوں پر بلاشرکت غیرے حقوق حاصل کئے جن میں کہ دنیا کا بہترین زمرد پیدا ہوتا ہے۔ تقریباً دس سال پہلے راولپنڈی کے ایک شخص حاجی غیاث نے والی سے زمرد نکالنے کا ایک معاہدہ کیا۔ ان میں آدھے آدھے منافع پر سمجھوتہ ہوا۔ بہرحال جب زمرد نکل آیا تو والی اپنے عہد سے پھر گیا اور صرف ۲۵ فیصدی منافع کی پیش کش کی۔ حاجی غیاث کو اسے منظور کرنا پڑا۔ تقریباً ڈیڑھ سال بعد والی نے اس کا یہ حصہ بھی دینے سے انکار کر دیا اور اسے ریاست سے نکلوا دیا۔

بقیہ صفحہ ۳۸ سے آگے

کے ہجوم میں گھرا ہوا تھا مصوری کے جدید رجحانات پر گفتگو کر رہا تھا شوروغل سے چونکا پھر اس نے سالن کی قاب میں مرغ کی ٹانگ کی تلاش جاری رکھتے ہوئے پوچھا

"یہ کیا ہوا؟"

معزز مہمان جو قریب ہی کھڑے تھے ہنس پڑے اور مصور کے عالم بیخبری سے لطف اندوز ہو کر بولے

"مبارک ہو اب تو تمہارا فن پاگلوں میں بھی مقبول ہو رہا ہے۔!"

بقیہ صفحہ ۱۱ سے آگے

۱۰۔ زہر آلود سامراجی ثقافت کے خلاف مہم چلائی جائے۔

امریکی و برطانوی ثقافتی زہر رجعت پرستانہ خیالات اور جاگیردارانہ اثرات کے خلاف ایک ملک گیر مہم چلائی جائے، نوجوانوں کو وطن، جمہوریت، سائنس ٹیکنک اور محنت سے محبت اور شفقت سکھانے والی تعلیم دی جانی چاہیئے۔ طبی سہولتوں اور تفریحی ماحول کا انتظام کیا جانا چاہیئے تاکہ قوم دشمن مغربی اثرات کا بہتر سدباب ہو سکے۔

۱۱۔ مہاجروں کی آبادکاری کی جائے۔

پاکستان میں عموماً اور کراچی میں خصوصاً مہاجروں کی آبادکاری کی جائے اور مہاجر فنڈ کا حساب دیا جائے اس کے علاوہ مہاجر کالونیوں میں تعمیر شدہ کوارٹروں کو اصل قیمت پر آسان ترین قسطوں میں دیا جائے اور جو کرایہ حاصل کیا جا چکا ہے وہ قیمت میں سے منہا کر لیا جائے۔

بقیہ صفحہ ۲۳ سے آگے

ایک بار پھر اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ پاک چین دوستی پرامن بقائے باہمی کے پانچ ٹھوس اصولوں پر قائم ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ سامراجی، جدید ترمیم پسند اور ان کے خوشامدی پاک۔ چین دوستی کو سبوتاژ کرنے میں ایک بار پھر ناکام ہو گئے ہیں۔

چینی حکومت ہمیشہ کی طرح خارجی جارحیت کے خلاف پاکستانی عوام کی، کشمیری عوام کے حق خود اختیاری کی جدوجہد کی، ویت نامی عوام کی امریکی جارحیت کے خلاف جنگ اور قومی آزادی کی جدوجہد کی، فلسطینی اور دوسرے عرب عوام کی امریکی سامراج اور صیہونیت کے خلاف جدوجہد کی، ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے عوام کی انقلابی جدوجہد کی اور تمام دنیا کے عوام کی انقلابی جدوجہد کی مستقل مزاجی سے حمایت کرتی رہے گی۔

چین کے کامیاب دورے کے بعد ایئر مارشل نور خان اور حکومت کا خیرسگالی اور دوستی کا وفد ۱۷ جولائی کی رات میں پاکستان پہنچ گیا۔

بقیہ صفحہ ۱۸ سے آگے

حملہ کر کے ان پر قبضہ کر رہے ہیں۔ وہ دشمنوں کے خلاف بڑے بڑے زمینداروں اور پولیس سے چھینے ہوئے ہتھیار، کلہاڑیاں، تیر کمان اور لاٹھی ڈنڈے سب ہی کچھ استعمال کرتے ہیں۔ پچھلے ہفتوں میں انہوں نے اس قسم کے بہت سے حملے کئے۔

مسلح کسانوں کی جدوجہد سے گھبرا کر آندھرا پردیش کی رجعت پسند حکومت نے انہیں دبانے کیلئے پولیس کی بہت بڑی تعداد تعینات کی ہوئی ہے لیکن ان کی تمام تدابیر ناکام ہو چکی ہیں۔

ادارہ منشور نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اے۔ آر۔ شبلی صاحب کا مشہور زمانہ مضمون "تین خانوادے" منشور کے صفحات پر بھی پیش کیا جائیگا اطلاعاً عرض ہے کہ یہ مضمون آئندہ شمارے میں شامل اشاعت ہوگا۔

(ادارہ)

ذوالفقار علی

پریس ورکرز کے حالات کار

شرائط ملازمت انتہائی روح فرسا ہیں

ویسے تو مزدور بحیثیت طبقے کے سامراجی اور گماشتہ نوکر شاہی سرمایہ دار کے تربن وحشیانہ استحصال کا شکار ہے، لیکن پریس ورکرز پر ظلم و استحصال کی کہانی ت ہی دردناک ہے، ہر قسم کی ناانصافی جس کا انسانی ذہن تصور کر سکتا ہے، ان پر ا رکھی جاتی ہے، اور ان کو انتہائی پسماندگی، تنگدستی اور غیر یقینی حالات میں گی گزارنے پر مجبور کیا جا رہا ہے،

حکومت کی طرف سے وہ تمام مراعات جو آئینی طور پر مزدوروں کا حق تسلیم ئی ہیں، پریس ورکرزان تمام مراعات سے کلی طور پر محروم ہیں، اور ہر پریس مالک اپنے خود ساختہ چالو قسم کے ضابطے پریس ورکرز پر مسلط کر رکھے ہیں، اگر کوئی ن ان سراسر ناانصافیوں کا دبی زبان سے اظہار کرتا ہے تو اسے اس جرم کی ت سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ اور پریس ورکر جس کے لئے روٹی حاصل کرنا تک محال ، آج کے دور کے مہنگے انصاف کو حاصل کرنا تو کجا اس کے بارے میں سوچ بھی سکتا، اور اس طرح ظلم و استحصال کی چکی میں مسلسل پستا چلا جا رہا ہے۔

پریس ورکرز پر کی جانے والی ناانصافیوں اور دھاندلیوں کا اندازہ مندرجہ ذیل ئق سے بالکل عیاں ہے۔

۱- 75% پریس ورکرز ملازمت کے غیر یقینی حالات کا شکار ہیں، جب بھی ں مالک کا دل چاہے وہ انہیں بغیر کسی جواز کے ملازمت سے علیحدہ کر دیتا ہے ہ اکثر پریسوں میں پریس ورکرز کے کام کا کوئی اندراج نہیں کیا جاتا، نہ ہی اُن ضری لگائی جاتی ہے، اور نہ ہی تنخواہ وغیرہ کا کوئی ریکارڈ رکھا جاتا ہے، ملازمت ارڈ نہ ہونے کی وجہ سے پریس ورکر کسی بھی عدالت میں پریس مالک کے فیصلے کو نہیں کر سکتا،

۱- نئی لیبر پالیسی کے تحت حکومت نے جبکہ ہر مزدور کی لاہور جیسے شہر کے لئے کم سے کم اجرات 125 روپے ماہوار مقرر کی ہے، پریس مالکان نیم ماہر پریس ورکر کو بھی ۶۰ روپے ماہوار سے زیادہ اجرت نہیں دیتے،

جب بھی دو سال بعد کسی پریس ورکر کی اجرت میں اضافے کا امکان پیدا ہوتا ہے تو پریس مالکان اس کو ملازمت سے برخاست کر کے اس کی جگہ کم اجرت پر دسرا ملازم رکھ لیتے ہیں، مغربی پاکستان کے ۳۵۰۰۰ پریس ورکرز میں بمشکل ی 2% ایسے پریس ورکرز ہونگے جنہیں کسی ادارے میں ۳ سال کام کرنے کا قع میسر کیا گیا ہو۔

جہاں تک طبی سہولتوں اور ٹائم کی ڈبل اجرت یا اس قسم کی دوسری مراعات تعلق ہے، پریس ورکرز ان تمام مراعات سے کلی طور پر محروم ہیں۔

اجرت کی ادائیگی کے لئے ہر ماہ کی ۷ تاریخ مقرر ہے لیکن شاید ہی کوئی وش قسمت پریس ہو جہاں اس پر عمل ہوتا ہے، ورنہ اجرت کی ادائیگی کبھی بھی ریخ مقررہ پر نہیں ہوتی، سالانہ چھٹیوں اور سالانہ ترقی کا تو پرائیویٹ پریسوں میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،

۶- لیبر ڈپارٹمنٹ کی نااہلی اور اس کے مالکوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کی بناء پر پریس ورکرز کو انتہائی مخدوش طبی حالات میں کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ تسلیم شدہ فیکٹری لاز کے مطابق کارکنوں کی صحت اور جان کی حفاظت کے سلسلہ میں جو بھی ضابطے طے کئے گئے ہیں ان کی سراسر خلاف ورزی کی جاتی ہے،

۷- جب کبھی بھی پریس ورکرز کسی قسم کی مراعات کا مطالبہ کرتے ہیں، تو اولاً انھیں ملازمت سے ہی برخاست کر دیا جاتا ہے، ورنہ ٹھیکے پر کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، پریس ورکروں کی بیکاری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اور ان کے درمیان کم اجرت پر کام کرنے کے سلسلہ میں مقابلہ کرا کے کارکنوں کو انتہائی قلیل اجرت پر کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

۸- عبوری امداد دینے کے بعد سرمایہ داروں نے اپنے روایتی انداز میں، ضروریات زندگی کی اشیاء مزید مہنگی کر دی ہیں، کیونکہ یہ سرمایہ دار کی خصلت ہے کہ اگر وہ ایک ہاتھ سے کچھ دیتا ہے تو دوسرے ہاتھ سے اس سے زیادہ ہتھیا لیتا ہے، پریس ورکرز جنہیں عبوری امداد ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس طرح کمر توڑ مہنگائی کی وجہ سے اُن کے لئے زندگی گزارنا انتہائی دشوار ہو گیا ہے، اس پر مزید ستم یہ کہ پریس مالکان نے بظاہر تو تالا بندی نہیں کی لیکن عملاً ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے کہ تقریباً 8% پریس ورکرز بیکاری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں،

اس تمام صورت حال میں پریس ورکرز کے سامنے صرف دو راستے ہیں، ایک راستہ تو یہ ہے حالات جیسے ہیں ویسے ہی رہنے دیئے جائیں، جو کچھ ہوتا ہے ہوتا رہے، اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مظلوم ظالموں کو اپنے پر ظلم کرنے کی کھلی چھٹی دے دیں، اور اپنے آپ کو زندہ جہنم میں دھکیل دیں

دوسرا راستہ یہ ہے کہ پریس ورکرز اپنے آپ کو ایک منظم اور فعال یونین کے تحت منظم کر لیں، اور اپنے حقوق حاصل کرنے اور مفادات کا تحفظ کرنے کے لئے یوم مئی کے شہیدوں کے خون سے فروزاں راستے پر گامزن ہوں

مثال کے طور پر لاہور کا ایک نام نہاد جمہوریت پسند اور جھوٹا اسلام پسند جو مرغ بادنما کی طرح ہمیشہ اپنا رُخ بدلتا رہتا ہے، اور جسے آج کل مزدوروں کے بڑھتے ہوئے طبقاتی شعور سے اسلام خطرے میں نظر آ رہا ہے، بدقسمتی سے ایک ہفتہ وار رسالے اور پریس کا بھی مالک واقع ہوا ہے۔ یہ نام نہاد اسلام پسند ہر نئے پریس ورکر کو ملازمت دیتے وقت تحریری طور پر اس شرط کا پابند بناتا ہے کہ وہ محنت جو اس کے ہفتہ وار رسالے پر صرف ہوگی تو اس کا پریس ورکر کو کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔

لیبر پالیسی کا تنقیدی جائزہ

زیرِ نظر سطور میں آپ وہ تبصرہ پڑھیں گے جو قومی مزدور محاذ مغربی پاکستان نے موجودہ حکومت کی اعلان کردہ لیبر پالیسی پر کیا ہے۔ اور تمام متعلقہ افراد تک پہنچا دیا گیا ہے۔ ڈھاکہ کی سہ فریقی کانفرنس میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ مزدوروں کے لئے قوانین بناتے ہوئے مزدوروں اور مالکوں دونوں کے پیش کردہ نکات کو سامنے رکھا جائے گا دیکھئے نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

قطعِ نظر اس بات سے کہ آئندہ پاکستانی مزدوروں کے لئے کس قسم کے قوانین بنتے ہیں اور اس سے مزدوروں اور مزدور تحریک کو کس حد تک فائدہ پہنچتا ہے۔ ان چند باتوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے جو اس تبصرے میں شامل نہیں ہیں۔

اس تبصرہ میں جو انداز اختیار کیا گیا ہے اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ تبصرہ چند باتوں کو بنیادی طور پر تسلیم کرتے ہوئے کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ موجودہ وقت میں جو مزدور قوانین بنائے جائیں گے وہ صنعت کی نجی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے بنائے جائیں گے۔ صنعت کار کو اختیار ہوگا کہ مزدوروں کو سرمائے میں اضافے کے آلے کے طور پر استعمال کرے یہ اصول بھی تسلیم کیا جائے گا کہ صنعتی ترقی کی قیمت مزدوروں کو ادا کرنی ہوگی۔ مختصر یہ کہ موجودہ معاشی نظام کو ایک لازمی برائی کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ تبصرہ صرف موجودہ ٹھوس۔ خارجی حالات کو بیان کرنے تک محدود ہے۔ ان کا تجزیہ کرکے موجودہ مسلّمہ خرابیوں کا حقیقی علاج تجویز نہیں کیا گیا ہے۔

موجودہ معاشی ڈھانچے کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ پاکستان کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں لانے کے لئے ضروری ہے کہ نجی ملکیت کے شعبے میں سرمایہ کی تشکیل اور ارتکاز ضروری ہے۔ اس مقصد کے لئے یہ ضروری ہے کہ ملکی صنعتوں کو نہ صرف غیر ملکی مصنوعات کے مقابلے سے محفوظ رکھا جائے بلکہ منافع کی شرح اونچی رہے۔ ایک خاص مدّت تک ٹیکس کی چھوٹ دی جائے۔ صنعت کی ترقی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے غیر ملکی زرِ مبادلہ مہیا کیا جائے چاہے اس کے لئے مشروط امداد لینی پڑے، غیر منفعت بخش شرائط پر قرض لیا جائے اور ملکی معیشت کو سود کے بوجھ کے نیچے کراہنے کے لئے چھوڑ دیا جائے اور اگر اس طرح بھی بات نہ بنے تو مطلوبہ مقاصد کی تکمیل کے لئے سامراجی ممالک کے فاضل سرمائے کی کھپت کے لئے مواقع فراہم کئے جائیں اور پاکستانی مزدور کو غیر ملکی استحصال کا شکار بنایا جائے۔

یہ صورتِ حال کچھ دنیا سے نرالی نہیں ہے بلکہ وہ تمام ممالک جو مصنوعی طور پر اور ملک کے ایک محدود طبقے کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لئے، عوام کی بنیادی ضروریات کو نظر انداز کرتے ہوئے، غیر حقیقت پسندانہ معاشی منصوبے بناتے ہیں انھیں اسی صورتِ حال کا سامنا کرنے پڑے گا اور اس کے کیا نتائج نکلتے ہیں اس کی سب سے بڑی مثال ہمارا پڑوسی ملک بھارت ہے جو بدلتے بدلتے آج بین الاقوامی سامراج کے مقاصد کی تکمیل کا ایک آلہ بن چکا ہے۔

یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہر محبِّ وطن پاکستانی اس صورتِ حال کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ اور کسی قیمت پر سامراج کا آلہ کار بننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ لیکن ملک کی سیاست اور معیشت پر یہ عظیم اکثریت کتنا اثر ڈال سکتی ہے۔

آج جبکہ وطنِ عزیز کی پوری معشت، سیاست اور ثقافت جاگیرداروں اور گماشتہ اجارہ دار سرمایہ داروں کے تینتس۳ خانوادوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے۔ جبکہ انھوں نے بارہ کروڑ آزادی پسند اور خود دار محنت کشوں کو اپنے اجرتی غلاموں میں تبدیل کر دیا ہے۔ جبکہ پوری قوم کا بال بال سامراجی ممالک کے اجارہ دار سرمایہ داروں کے قرضوں میں جکڑا ہوا ہے تو ہمارا طبقاتی فرض ہے کہ ان تاریکیوں میں ایک روشن راستہ تلاش کریں۔

پاکستان کے مخصوص حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک ایسا متحدہ محاذ بنایا جائے جس کی قیادت منظم اور باشعور محنت کش طبقے کے ہاتھ میں ہو جس کی بنیاد مزدوروں اور کسانوں کے اٹوٹ اتحاد پر ہو جس میں وہ سب طبقے، ان کی سیاسی جماعتیں، گروہ اور افراد شامل ہوں جو قومی آزادی، سامراجی استحصال کے خاتمے اور پوری قوم کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے پر نہ صرف یقین رکھتے ہوں بلکہ اس بارے میں عملی جدوجہد بھی کرتے ہوں۔ یہی ایک ایسا قابلِ اعتبار، محبِ وطن اور عوام دوست متحدہ محاذ ہوگا جو پاکستانی قوم کو جاگیرداروں، گماشتہ اجارہ دار سرمایہ داروں اور سامراجیوں کی لوٹ کھسوٹ سے نجات دلائے گا جو قومی معیشت کی منصوبہ بندی قومی مفادات کو پیشِ نظر رکھ کر کرے گا جس کی بنیاد اجتماعی محنت اور اجتماعی تقسیمِ دولت پر ہوگی جو انتظامی مشینری کو نوکر شاہی کی گرفت سے آزاد کرا کے پوری قوم کو عملی طور پر اقتدار میں شامل کرے گا۔ اس کی سیاست، محنت کشوں، کسانوں، دانشوروں، قومی سرمایہ داروں، محبِ وطن جاگیرداروں یعنی پاکستانی معاشرے کے تمام ترقی پسند طبقوں، ان کی سیاسی جماعتوں، گروہوں اور افراد کی مشترکہ حاکمیت ——— یعنی ——— عوامی جمہوریت کی سیاست ہوگی۔ قومی مزدور محاذ مغربی پاکستان اپنے تمام ہمسفروں کے ساتھ اسی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم جلد از جلد اس تجزیہ اور شعور کو اپنے حقوق کی عملی جدوجہد کا حصّہ بنا لیں اور پھر آزادی، امن اور خوشحالی کی طرف قدم بڑھائیں۔ اس بنیادی فرض سے پہلوتہی اور لاپرواہی قومی غداری ہوگی، جس سے صرف اور صرف سامراجی اور ان کے مقامی گماشتے ہی فائدہ اٹھائیں گے۔

اعلان شدہ لیبر پالیسی پر غور کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس مفروضے پر بحث کی جائے جو ایک طرح سے اس پالیسی کی بنیاد بنتا ہے۔ وہ مفروضہ "پاکستانی مزدور کی پیداواری صلاحیت کے کم" ہونے کا ہے اگر بنیادی طور پر اس بات کو تسلیم کیا گیا ہو تو پھر اس کے کئی منطقی نتائج ہوں گے جو لازماً دوسری تمام متعلقہ باتوں اور معاملات پر اثر انداز ہوں گے۔ ممکنہ نتائج جو اس مفروضے سے اخذ کئے جا سکتے ہیں وہ یہ ہو سکتے ہیں۔

(۱) پاکستان کی صنعت میں ملازم مزدوروں کی تعداد اصل گنجائش سے زائد ہے۔
۲۔ زیرِ استعمال سرمائے کی مناسبت سے پیداوار کی شرح کم ہے۔
۳۔ سرمائے پر منافع کی شرح اور ممالک کے مقابلے میں کم ہے۔
۴۔ لاگت میں مزدوری کا حصّہ زیادہ ہے۔
۵۔ منڈی کی اوسط قیمت فروخت کا زیادہ حصہ مزدوری کی شکل میں عام

مزدور کو پہنچ رہا ہے۔

اگر ممکنہ نتائج کو صحیح مان کر مزدوروں کی کم از کم اجرتوں، دوسری سہولتوں کا تعین کیا جائے تو لازمی بات ہے کہ ان کا جھکاؤ مزدوروں کے حق میں کبھی بھی نہ ہو سکے گا۔ دوسرے الفاظ میں اس بات کی گنجائش پیدا کرنے کی کوشش کی جائیگی کہ منافع میں سرمائے کے حصے کو بڑھایا جائے۔

مزدور کی پیداواری صلاحیت پر بات کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ کونسی شرائط اور وہ کون سے عناصر ہیں جو مزدور کی پیداواری صلاحیت کا تعین کرتے ہیں۔ سرسری طور پر وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جسمانی صحت

۲۔ تعلیم

۳۔ رہائش اور خوراک۔

۴۔ اجرتوں کی سطح۔ کارخانوں کا ماحول۔

۵۔ تفریح کے مواقع۔

۶۔ ملازمت سے پہلے اور ملازمت کے دوران فنی تربیت کا انتظام۔

۷۔ نگراں ٹیکنیکل عملے کی فنی مہارت۔

۸۔ مزدور کی سماجی حیثیت۔

۱۔ جہاں تک پاکستان کے محنت کش طبقے کی جسمانی صحت کا سوال ہے تو اس سلسلے میں کسی لمبی اور گہری جانچ پڑتال کی ضرورت نہیں۔ قابل اعتبار ذرائع کی فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق ۳۴ فیصدی مزدور ٹی۔ بی کے شکار پائے جاتے ہیں بیتر سے اسی فیصد افراد وسمی بیماریوں کا شکار رہتے ہیں۔ چونکہ روٹی کپڑے کا خرچ ہی پورا ہونا مشکل ہوتا ہے اس لئے دوا علاج پر توجہ نہیں دی جاتی اور بعض صورتوں میں دعا عویز سے کام چلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور مزدور پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ بیماری کی حالت میں بھی کام کرلے۔ جس کے یجے میں بیماریاں جڑ پکڑتی جاتی ہیں اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی چڑچڑاہٹ زدلی اور مایوسی کا اثر اس کی کارکردگی پر بھی پڑتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کستانی مزدور اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کرتا ہے بصورت دیگر اسے روزگار ے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔

۲۔ پاکستانی مزدوروں میں بمشکل تمام پانچ فیصد مزدور ایسے ہیں۔ اور مستقبل قریب میں اس صورت حال میں کسی خوشگوار تبدیلی کا امکان اس لئے نہیں ہے کہ اس کے پاس اتنی گنجائش ہی نہیں ہوتی کہ وہ خود تعلیم حاصل کرنے یا اپنے بچوں کو اسکول بھیجنے کے متعلق سوچ سکے۔ ان علاقوں میں بھی جہاں پرائمری تعلیم لازمی ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ غریب لوگ اپنے بچوں کو اسکول بھیجنے کی بجائے اسکول ٹیچر کو رشوت دیتے ہیں کہ بچے کی حاضری لگتی رہے اور بچہ کھیت، کھلیان۔ بڑے زمیندار کے گھر یا کسی دوکان پر کام کرکے زندگی کا بوجھ اٹھانے میں باپ کی کچھ مدد کرسکے۔ تعلیم کی غیر موجودگی کی وجہ سے نہ تو وہ تیز رفتار زندگی کا ساتھ دے سکتا ہے۔ نہ پرانے تعصبات سے اپنا پیچھا چھڑا سکتا ہے۔ نہ مشینوں کے عمل کو اپنے شعور کا حصہ بنا سکتا ہے۔ نہ جدید صنعت کے پیچیدہ عمل کو سمجھ سکتا ہے۔ اس کی حالت اس مشین کی سی ہوجاتی ہے جو اپنا مقررہ فرض انجام دیتی رہتی ہے۔ اور ذرا سی خرابی پیدا ہونے پر رک جاتی ہے۔ اس میں پیش قدمی، ایجاد۔ اختراع اور تجربہ کرنے کا جذبہ بیدار ہی نہیں ہو پاتا۔ ان تمام باتوں کا پیداوار اور مزدور کی اپنی ترقی پر جو اثر پڑتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اگر ترقی اور زیادہ آمدنی کے امکانات نہ ہوں تو کام سے اکتاہٹ کا پیدا ہونا بالکل فطری بات ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مزدور سزا۔ جرمانے اور ملازمت کے چھن جانے کے ڈر سے اپنا کام انجام دیتا رہے۔

۳۔ رہائش۔ دیہات میں بھی مزدور زیادہ تر فطرت کے رحم و کرم پر ہوتا ہے اس لئے کہ اس کی جھونپڑی یا ٹوٹا پھوٹا مکان اسے سردی۔ گرمی اور برسات سے پناہ دینے میں ناکام رہتا ہے۔ شہروں میں تو صورتِ حال اور زیادہ حیوانی سطح پر پائی جاتی ہے۔ ایک مختصر سے کمرے میں ایک پورا خاندان زندگی گذارتا ہے۔ ان بستیوں میں صحت و صفائی کا انتظام تو دور کی بات ہے پینے کے لئے پانی تک کا بندوبست نہیں ہوتا اور کراچی جیسے شہر میں تو نوبت دنگا فساد اور قتل تک پہنچ جاتی ہے۔ غیر شادی شدہ مزدور ایک ایک کمرے میں دس دس اور بارہ بارہ کی تعداد میں رہتے ہیں اور سونے کے لئے یا تو آسمان کی چھت ہوتی ہے یا پھر باری مقرر کی جاتی ہے۔ آٹھ۔ دس۔ اور بارہ گھنٹے کی محنت کے بعد بھی جسم کو ضروری آرام نہ ملے تو نتیجہ ظاہر ہے۔

یہ کراچی شہر کی ایک مزدور بستی کے قریب کا منظر ہے۔ برابر میں گندہ نالہ اور چاروں طرف مختلف غلاظتوں کے ڈھیر اس ماحول میں مزدوروں کا زندہ رہنا ہی انتہائی حیرت کی بات ہے، پھر اچھی صحت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا

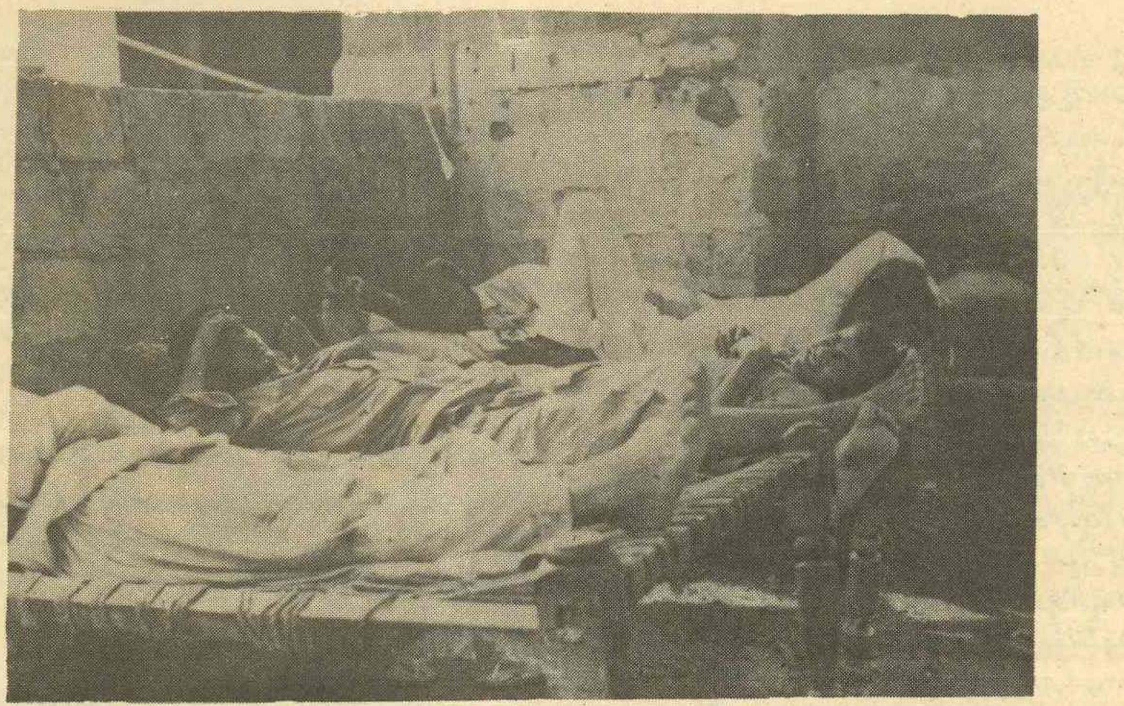

کارخانے کی طرح یہاں بھی شفٹ چلتی ہے - یہ غریب مزدور شفٹ کے حساب سے آرام بھی کرتے ہیں ایک ایک چارپائی پر دو دو آدمی - ان کا وقت ختم ہو جائے گا تو دوسرے تھکے ہارے مزدور آکر انہیں اٹھا دیں گے

سخت جسمانی محنت کرنے والے فرد کے لئے چوبیس گھنٹے میں اوسطاً چار ہزار کیلوریز کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ ایک مزدور کو بہ مشکل بارہ سے پندرہ سو کیلوریز میسر آتی ہیں۔ خوراک کی یہ ناکافی مقدار صرف مزدور کی جسمانی حالت پر اثرانداز ہوتی ہے بلکہ اس سے مزدور کی ذہنی صلاحیتیں بھی ٹھٹھر جاتی ہیں۔ جس کا اثر اس کی کارکردگی پر پڑتا ہے اور مجموعی طور پر پیداوار بھی متاثر ہوتی ہے۔

۴۔ اجرتوں کی سطح ناقابلِ بیان حد تک پست ہے حکومت کی طرف سے فراہم کی جانے والی معلومات کی بنیاد پر جو تخمینہ لگایا گیا ہے اس کے حساب سے پانچ افراد کے ایک اوسط خاندان کا کم از کم خرچ مغربی پاکستان میں کم از کم دو سو بیس روپے اور مشرقی پاکستان میں دو سو ساٹھ روپے ہے۔ اس وقت تک جو کم از کم اجرتیں مقرر تھیں انھیں سب سے زیادہ ٹیکسٹائل کے غیر ماہر مزدوروں کی مقرر ہوئی تھیں یعنی ایک سو سترہ روپے ماہوار۔ اور یہ اجرت بھی دسمبر ۶۸ء میں مقرر ہوئی تھیں ورنہ عام طور پر کراچی کے لئے اٹھتر روپے اور مغربی پاکستان کے دوسرے علاقوں کے لئے بہتر روپے تھی۔ اس صورت حال میں عام مزدور کی ذہنی پریشانی۔ مالی مشکلات اور اس کے نتیجے میں اس کے ذہنی انتشار کا اچھی طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس پر طرّہ یہ کہ کارخانوں کا ماحول انتہائی ناقابل برداشت ہے۔ یہاں دوسری سہولتوں کا تو کیا ذکر ہے خود فیکٹریز ایکٹ میں مقررہ حفاظتی انتظامات تک نہیں کئے جاتے۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ متعلقہ فیکٹری انسپکٹر کا ماہانہ بندھا ہوتا ہے اور متعلقہ انسپکٹر سال بھر میں اپنی کارکردگی دکھانے کے لئے معمولی نوعیت کی خلاف ورزیوں کے ایک دو چالان کر دیتا ہے اور چند سو روپے بطور جرمانہ سرکاری خزانے کو مل جاتے ہیں۔ جہاں تک مزدور کا سوال ہے اس کے حالات کار میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ جن شیڈوں میں کام ہوتا ہے وہ سردیوں میں انتہائی سرد اور گرمیوں میں انتہائی گرم ہوتے ہیں۔ کینٹین میں جو اشیاء فراہم کی جاتی ہیں اگر وہ کارخانے کے باہر بیچنے کی کوشش کی جائے تو کوئی انہیں نہ خریدے گا۔ پیشاب خانے اور پاخانے اس حد تک گندے ہوتے ہیں کہ پورا کارخانہ بدبو میں بسا ہوتا ہے غسل خانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کام کے دوران وقفوں میں آرام کے لئے جگہ تو دور کی بات ہے کسی حادثے کی صورت میں متاثرہ فرد کو کہیں لٹانے یا طبی امداد پہنچانے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ انتہا یہ ہے کہ اکثر کارخانوں میں ابتدائی طبی امداد کے بکس بھی نہیں رکھے جاتے۔ جیسا کہ مارشل لاء کی معائنہ ٹیموں نے خود دیکھا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس صورتِ حال میں مزدور کے لئے کام کا وقت قید بامشقت سے کم نہیں ہوتا اور چونکہ زائد پیداوار سے اسے کوئی فائدہ پہنچنے کی کوئی امید نہیں ہوتی اس لئے اس طرف وہ متوجہ بھی نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے۔

اسی سے متعلق بنیادی اور انتہائی اہم بات ملازمت کا تحفظ ہے۔ اگر کسی کارخانے میں مزدوروں میں آئے دن ردوبدل ہوتا ہے تو اس سے پیداوار کا متاثر ہونا ضروری ہے۔ ایک مزدور لمبے عرصے تک جس مشین پر کام کرے گا وہ اس کے مزاج۔ اس کی اچھائیوں اور برائیوں سے واقف ہوگا اور اسے ہر صورت میں چالو رکھے گا بہ نسبت اس کے جب ایک نیا مزدور اسی مشین پر کام کرے گا تو اوسط پیداوار میں لازماً کمی واقع ہوگی۔ اس کا دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک مزدور ہر وقت ملازمت کے ختم ہو جانے کے خوف میں مبتلا ہے تو وہ پیداوار میں اتنی دلچسپی نہیں لے سکتا جتنی وہ اس صورت میں لے گا جبکہ اسے یقین ہو کہ اس کا مستقبل کارخانے کے مستقبل اور اس کی ترقی کارخانے کی ترقی سے جڑی ہوئی ہے۔

۵۔ پیداواری عمل میں دوسرے پیشوں کی بہ نسبت تھکان زیادہ ہوتی ہے اور جسمانی قوت زیادہ صرف ہوتی ہے۔ اس صرف شدہ قوت کی بحالی کے لئے مناسب آرام اور مناسب غذا کے ساتھ ساتھ تفریح بھی ضروری ہے۔ یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے۔ لیکن پاکستان کے مزدور کو نہ تو مناسب آرام نصیب ہے نہ مناسب غذا اور تفریح کا تو سرے سے کوئی انتظام ہی نہیں ہے چند بڑے ملوں نے کھیلوں کا انتظام کیا ہے اور مختلف کھیلوں کے لئے ٹیمیں تیار کی ہیں۔ مگر اس کی حقیقت کیا ہے یہ ایک انتہائی شرمناک امر ہے۔ بنیادی

طور پر کھیلوں کا یہ انتظام مزدوروں کے لئے تفریح کا انتظام کرنے کے لئے نہیں بلکہ مختلف حکام کو رشوت دینے کا ایک بندوبست ہے۔ ان کے عزیزوں، رشتہ داروں اور سفارشیوں کو بلا کام کے تنخواہ دینے کا ایک وسیلہ ہے یہ اشتہار بازی کا بھی ایک سستا ذریعہ ہے۔ چند صورتوں میں یہ غنڈوں کی ٹیمیں تیار کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اور یہ ٹیمیں عام مزدوروں کے خلاف استعمال ہوتی رہتی رہتی ہیں۔ ان کا کام ہڑتالیں توڑنا اور عام مزدوروں میں خوف و دہشت پھیلانا ہے۔ اس طرح یہ بھی ظلم و جبر کا ایک آلہ ہی ہے۔

بحالت مجبوری عام مزدور کی تفریح چھچھورے۔ گھٹیا اور گالی گلوچ پر مشتمل مذاق۔ اور سستے اور نقصان دہ نشہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ سنیما ہے بھی تو اس پر اتنا زیادہ تفریحی ٹیکس عائد ہے جس کی دنیا بھر میں کوئی مثال نہیں۔

اس طرح عام مزدور اپنی طاقت کی بحالی کے وسائل سے یکسر محروم ہے جس کا اثر لازماً پیداوار پر بھی پڑے گا۔ اور پڑتا ہے

۶۔ زائد پیداوار کے لئے فنی تربیت کی وہی حیثیت ہے جو جسم میں خون کی ہے۔ ملک میں بچوں اور بالغوں کے لئے فنی تربیت کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اس لئے ہر مزدور کارخانے میں غیر ہنرمند کی حیثیت سے داخل ہوتا ہے۔ اور یہاں ہنر اسی طرح سیکھتا ہے جس طرح چوری کی جاتی ہے۔ اس کے لئے اسے پہلے تو نیم ہنرمند یا ہنرمند مزدور کی چاپلوسی کرنی پڑتی ہے۔ اس کے بعد سکھانے والے اور سیکھنے والے دونوں کو نگراں عملے کی نظر بچا کر کام کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر پکڑے جائیں تو دونوں کو ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔

یوں کہنے کو ملک میں پولی ٹیکنیک اداروں کی تعداد بڑھ رہی ہے لیکن ان سے کون فائدہ اٹھا رہا ہے شاید اس پر غور کرنے کی کسی کو فرصت ہی نہیں بہر حال یہ ایک عام مزدور یا اس کے بچوں کی پہنچ سے باہر کی چیزیں ہیں۔

کہنے کو تو ملوں میں بھی اپرنٹس رکھ کر تربیت دینے کی بات کی جاتی ہے لیکن آج تک اس بات کی تحقیق کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی کہ اس اسکیم سے کون فائدہ اٹھا رہا ہے۔ مل مالکان اپنے خاص آدمیوں کی ایک بڑی تعداد کو اپرنٹس کے نام سے مل میں رکھتے ہیں۔ لیکن ان کا کام سیکھنا نہیں بلکہ مزدوروں کی جاسوسی کرنا، ان میں پھوٹ ڈالنا اور یونین دشمن سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ہے۔ اپرنٹسوں کا دوسرا حصہ ان نیم ماہر اور ماہر مزدوروں پر مشتمل ہے جو بھوک اور بیروزگاری سے تنگ آ کر کم اجرت پر کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اگر ملازمت میں آنے سے پہلے اور ملازمت حاصل کرنے کے بعد مزدوروں اور ان کے بچوں کو فنی تربیت حاصل کرنیکے بعد مزدوروں اور ان کے بچوں کو فنی تربیت حاصل کرنے کی کوئی سہولت ہی حاصل نہ ہو تو ان کی پیداواری صلاحیت خودرو جھاڑیوں کی سی ہوگی اور وہ صنعت کی بھٹی کا ایندھن بنتے رہیں گے۔ یہی ان کا حال ہے اور یہی مستقبل۔

۷۔ ماہر نگراں عملے کے بغیر صنعتی پیداوار میں اضافے کا تصور بالکل بغیر پانی کے فصلیں اگانے والی بات ہے۔ حکومت اور صنعت کاروں کی پالیسی سستے مزدور حاصل کرنا رہی ہے اور اس کا اعتراف تو خود زیر بحث پالیسی میں بھی کیا گیا ہے۔ یہی صورت حال ماہر نگراں عملے کے معاملے میں رہی ہے۔ پاکستان میں ویسے بھی فنی ماہرین کی بے انتہا کمی رہی ہے۔ اور جو تھوڑی سی تعداد موجود رہی ہے اس میں سے کافی تعداد یا تو آج تک بیروزگاری کا شکار ہے یا جاہل اور نااہل اعلیٰ افسروں کے ماتحت کی حیثیت سے کام کر رہی ہے نئی صنعتوں کے قیام کے وقت جو غیر ملکی انجنیئر بلائے جاتے ہیں ان کی اکثریت بھی ان افراد پر مشتمل ہوتی ہے جو خود اپنے ملک میں بھی ماہر مزدوروں میں شمار نہیں کئے جاتے۔ لیکن امداد اور قرضوں کی شرائط کے تحت انھیں روزگار مہیا کرنا اور بھاری تنخواہیں ادا کرنا فرض ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ کام سیکھنے کے لئے جو لوگ لگائے جاتے ہیں وہ عموماً سیٹھوں کے اپنے پروردہ لوگ ہوتے ہیں جو اس بنیادی تعلیم سے محروم ہوتے ہیں جو اس نوعیت کے کام سیکھنے کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو تربیت دلوانے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ کم سے کم تنخواہ پر کام چلانے والے آدمی مل جائیں۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مشینیں اور پلانٹ اپنی گنجائش کے مطابق پیداوار نہیں دیتے اور ان کی مناسب دیکھ بھال تک نہیں ہو پاتی جس کا لازمی نتیجہ کم پیداوار ہے۔

۸۔ سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ملک میں محنت کی کیا وقعت ہے؟ اور مزدور کی سماجی حیثیت کیا ہے؟ صنعت کار اور کارخانے کے انتظامی عملے کا رویہ اس کے ساتھ کیسا ہے۔

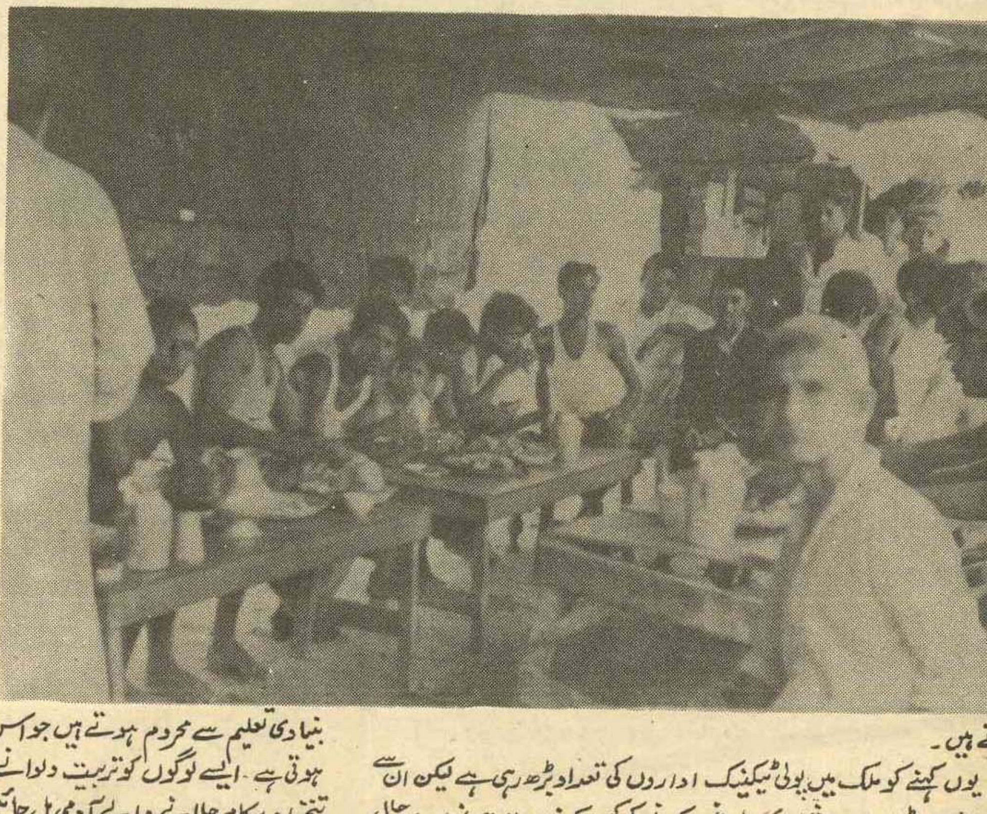

ٹاٹ کی چھت اور دیواروں کے سہارے بنے ہوئے اس ہوٹل میں کھانا کیا ہوتا ہوگا۔ صحت پر اس کھانے کے کیا اثرات پڑتے ہوں گے یہ تفصیلات اگر ان مزدوروں کو معلوم بھی ہوں۔ تب بھی کیا فرق پڑے گا۔ مزدور تو کھانا یہیں کھائیں گے کیونکہ بیشتر کارخانوں اور ملوں میں کینٹین نام کی چیز موجود نہیں ہے۔ بس ایسے ہوٹل ہیں یا ٹھیلے پر چلتے پھرتے ہوٹل۔ اس قسم کے کھانے کھا کر مزدور کس قدر پیداوار دے سکتا ہے۔ یہ کہنا کہ پاکستان میں فی کس پیداوار سب سے کم ہے بالکل درست ہے۔ لیکن پاکستان میں مزدوروں کی غذا کا دوسرے ملکوں کے مزدوروں کی غذا سے بھی مقابلہ کرنا چاہیئے

یہ ہیں وہ سوالات جن کے جواب میں سوائے شرم سے سر جھکانے کے اور کوئی راستہ فرار ہونے کا نہیں ہے۔ ملک میں جو عام ذہنی فضا ہے اس میں مزدور سماج کا سب سے گرا ہوا اور سب سے حقیر طبقہ ہے۔ سماجی زندگی میں اسے سوائے حقارت کے کچھ نہیں ملتا۔ پورے تعلیمی نصاب کو کھنگال ڈالئے کہیں اس بات کا سراغ بھی نہیں ملے گا کہ لوگوں کے ذہن میں مزدوروں کو ایک باعزت پیشہ سمجھنے کی طرف راغب بھی کیا جا رہا ہو۔ صنعت کار اور انتظامی عملہ صرف ذلت آمیز برتاؤ اور گالی گلوچ پر ہی بس نہیں کرتا بلکہ کارخانوں کے اندر مار پیٹ سے بھی نہیں چوکتا۔ جہاں مزدور تنظیم ہو کر ان حالات کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو صنعت کار یا انتظامی عملے کا ایک ٹیلیفون اس بات کے لئے کافی ہے کہ اسے آگے بڑھتے ہوئے مزدور کارکنوں کو ۱۰۲/۱۱۷ کے تحت گرفتار کر لیا جائے اور مہینوں انہیں جیل میں سڑا دیا جائے کہ وہ بڑی بڑی رقموں کی ضمانت کا انتظام نہیں کر سکتے۔ جیلوں میں مزدوروں اور مزدور کارکنوں کو اخلاقی مجرموں کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ اور ان کے ساتھ اخلاقی مجرموں سے بھی بدتر سلوک ہوتا ہے۔ اور جب وہ ان تمام مصیبتوں سے گزر کر واپس آتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ ملازمت سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ پورے علاقے میں اسے سیاہ فہرست میں شامل کیا جاتا ہے اور وہ مجبور ہو کر اپنا اور اپنے باپ کا نام تبدیل کر کے ملازمت حاصل کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور یہ احتیاط بھی برتتا ہے کہ دوبارہ ایسے کسی چکر میں نہ پھنس جائے۔ اس طرح ٹریڈ یونین تحریک مخلص۔ ایماندار اور تربیت یافتہ کارکنوں سے محروم ہو جاتی ہے۔ یہ فضا جب عام ہو تو مزدور شکست خوردگی کے احساس اور ذہنی پراگندگی کا شکار ہوتا ہے اور ایسے مزدور سے زائد پیداوار کی توقع چڑیا کا دودھ دوہنے کی کوشش ہے۔

جو مزدور اس بڑی چکی میں نہیں پستا۔ اس کے لئے محکمانہ کارروائی کی چھوٹی لیکن باریک پیسنے والی چکی ہے۔ مزدوروں کے لئے بد اطواری کی فہرست کافی لمبی ہے۔ اور الزام لگانے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی مزدور بد اطواری کا مرتکب بھی ہوا ہو۔ اس لئے کہ مدعی۔ گواہ۔ اور منصف سبھی کچھ صنعت کار یا انتظامی عملہ ہوتا ہے۔ چارج شیٹ دینے کے ساتھ بلا کسی ثبوت کے مزدور کو معطل کیا جا سکتا ہے۔ انکوائری میں جو دل چاہے بیان لکھا جا سکتا ہے۔

یہ مزدوروں کے ڈیوٹی پر جانے کا وقت ہے۔ ٹرانسپورٹ کا انتظام کسی کارخانے کی طرف سے نہیں ہے۔ ڈیوٹی پر وقت پر پہنچنا ضروری ہے۔ پچاس ساٹھ مسافروں کی گنجائش والی بسوں میں سو سو اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو مزدور بھیڑ بکریوں کی طرح بھرے جاتے ہیں۔

بعد میں اس میں مرضی کے مطابق تبدیلی کی جا سکتی ہے اور تمام بیانات اگر مزدور کو مجرم ثابت نہ بھی کرتے ہوں تو انکوائری افسر کو اختیار ہے کہ وہ اسے مجرم قرار دے دے اور معمولی سے معمولی اور فرضی جرم پر بھی برطرفی کی سزا تجویز کر دے۔ کسی عدالت میں اس پر حرف گیری نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ سیٹھ یا اس کے کارندے کا پیدائشی حق ہے۔ ایسی صورت میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ مزدور مشینوں کی کارکردگی کے ذمے دار عملے کی غفلت یا نااہلی کی نشاندہی بھی کر سکے۔ پیداوار بہتر ہو تو کیسے؟

ان حالات میں یہ کہنا کہ پاکستانی مزدور کی پیداواری صلاحیت کم ہے بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے کسی بھینس کو باندھ کر رکھا جائے۔ اسے چارہ اور پانی نہ دیا جائے۔ اس پر ڈنڈے بھی برسائے جائیں اور پھر شکایت کی جائے کہ بھینس تو دودھ ہی نہیں دیتی۔

سوال یہ ہے کہ کیا زیر بحث لیبر پالیسی میں ان حقائق کا احتراز کیا گیا ہے؟ ان کا تجزیہ کیا گیا ہے؟ اور ان ناسوروں کا کوئی علاج تجویز کیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اتنی تفصیلات میں جانے کی نہ فرصت تھی نہ وقت۔

یہ تو دیکھ لیا گیا ہے کہ مزدور کی پیداواری صلاحیت کو بڑھانے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ مزدور کو مہیا نہیں ہیں۔ تو اب یہ دیکھیں کہ اس کا صنعت پر کیا اثر پڑتا ہے۔

ابتدا میں صنعت کی حالت سے متعلق جو سوالات اٹھائے گئے تھے اب ان کے جواب بھی دیکھ لئے جائیں۔

(۱) پاکستان کی صنعتوں میں ملازم مزدوروں کی تعداد گنجائش سے زیادہ ہے۔

اس سوال کا جواب اعداد و شمار سے اس لئے نہیں دیا جا سکتا کہ یہ اعداد و شمار نہ تو حکومت کے پاس ہیں نہ صنعت کاروں کے پاس۔ حکومت کے پاس کوئی مشنری ایسی نہیں جو اپنے طور پر یہ اعداد و شمار اکٹھا کرے۔ صنعت کاروں کے صحیح اعداد و شمار ان کھاتوں میں ہیں جو صرف ان کے لئے مخصوص ہیں حکومت بھی ان تک نہیں پہنچ سکتی۔ صنعتوں کی عام کارکردگی کو اگر سامنے رکھا جائے تو اس سوال کا جواب آٹھ گھنٹے کی جگہ دس اور بارہ گھنٹے بلکہ بعض حالات میں سولہ سولہ گھنٹے کام لے۔ چاہے وہ شفٹوں کے اوقات بڑھانے کی صورت میں ہو یا ایک ہی مزدور کے دو شفٹوں میں دو مختلف ناموں سے کام لینے کی

یہ کسی کمہار کا باڑہ نہیں ہے۔ پانی کے لئے گھڑوں اور مٹکوں کی قطاریں لگی ہوئی ہیں لیکن پانی کا کہیں دور دور پتہ نہیں ہے مزدور بستیوں میں عام طور پر یہی عالم ہے۔

رت میں۔ جہاں یہ نہیں ہوسکتا وہاں اوور ٹائم کے نام سے کام لیا جاتا ہے۔
جی کام کی مقدار کم ہو تو وہ فوری لے آف عارضی بے کاری یا پھر چھانٹی
سہارا لیتا ہے وہ ضرورت سے زائد افراد کو ملازم رکھنے کا تصوّر بھی
ں کرسکتا۔

۲۔ زیرِ استعمال سرمائے کی مناسبت سے پیداوار کی شرح کم ہے۔
اس سوال کا جواب بھی نفی میں ہے۔ ثبوت کے لئے کسی بھی لمیٹڈ
کا سالانہ حساب دیکھا جاسکتا ہے جس میں لگائے ہوئے سرمائے اور
سال بھر کی پیداوار کی مالیت کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضرور کیجئے کہ پیداوار
و مالیت بنائی جائے اس میں کم از کم پچاس فیصد اور جوڑ لیجئے۔
کہ ٹیکس بچانے کے لئے پیداوار کا ایک بڑا حصّہ علی الحساب غائب
جاتا ہے۔ اور ہیرا پھیری سے یا کسی "مناسب" وقت پر سیاہ دولت کو
ید دولت میں تبدیل کرلیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جو تیار مال اسٹاک
ہوتا ہے اس کی مالیت کا تعین بھی محترم ڈائریکٹر صاحبان کرتے ہیں جو
اصل مالیت سے بہت بڑی حد تک کم ہوتا ہے۔ اگر غیر ممالک سے تقابل
ہے تو خود کار مشینوں سے۔ نیم خود کار مشینوں کا نیم خود کار مشینوں سے
ہاتھ سے چلائی جانے والی مشینوں کا اسی طرح کی مشینوں سے موازنہ
۔ پھر یہ بھی نہ بھولئے کہ پیداوار کا موازنہ مقدار میں ہو مالیت میں
۔ اور اس موازنہ کے لئے کاغذی اعداد و شمار نہیں بلکہ پیداواری عمل
است مشاہدے کو بنیاد بنائیے۔ آپ ہم سے متفق ہوں گے۔

۲۔ سرمائے پر منافع کی شرح اور ممالک سے کم ہے۔
اگر ایسا ہے تو ہمیں اس غیبی امداد کا پتہ چلانا پڑے گا کہ دو لاکھ اور چار لاکھ
رمائے سے کاروبار کرنے والے منڈی کے آڑھتی یا کئی کئی ملوں اور کروڑوں
ت کے مالک کیسے بنے؟ اگر ہم اس غیبی امداد کو ثابت نہ کرسکیں تو پھر یہ بات
ڑے گی کہ پاکستان کی صنعت میں منافع کی شرح اور ملکوں مثلاً بھارت یا جاپان
یادہ ہے کیونکہ ان کے سرمائے میں ایک سے دو۔ دو سے چار اور چار سے
مناسبت سے اضافہ نہیں ہوا ہے۔

) لاگت میں مزدوری کا حصّہ زیادہ ہے؟
ر پیداواری صلاحیت کم ہو تو لازمی بات ہوگی کہ لاگت میں مزدوری کا
یادہ ہوگا۔ یہاں ایک مل کی سنہ ۶۵-۶۶ء کی آڈٹ رپورٹ کا حوالہ دیا
جاسکتا ہے۔ اس ایک سال میں اس مل نے تقریباً تین کروڑ کی مالیت کا مال تیار کیا جس میں مزدوروں کی اجرت۔ نگراں اور انتظامی عملے کی تنخواہیں اور بونس کی جملہ رقم سترہ لاکھ چونتیس ہزار ہے اور کمپنی کا خالص منافع تینتیس لاکھ اڑتیس ہزار۔ یہ ایک دیسی مل کا حساب کتاب ہے جس کے مالکان کے بقول جنھیں سنہ ۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کی وجہ سے اپنا مال بھیجنے میں بڑی دشواری ہوئی اور ان کو اپنا مال غیر ملکی منڈیوں میں لاگت سے کم دام پر فروخت کرنا پڑتا ہے۔ اگر مزدور کی پیداواری صلاحیت کم ہے تو یہ ہُن کیا آسمان سے برس رہا ہے؟

(۵) کیا منڈی کی اوسط قیمت فروخت کا زیادہ حصہ مزدوری کی شکل میں عام مزدور کو پہنچ رہا ہے؟ یہ اس سلسلے کا آخری سوال ہے۔ اس کے جواب میں صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں تیار ہونے والی اشیاء کی اوسط تھوک قیمت فروخت کا صرف چھ سے سات فیصد حصّہ صرف شدہ محنت کی قیمت ہے۔ جبکہ جرمنی میں یہ حصّہ چھیاسٹھ فیصد۔ امریکہ میں چوّن فیصد اور جاپان میں بیالیس فیصد ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات کسی حجّت کے بغیر مان لینی چاہئے کہ مزدور قوانین میں مجوزہ ردّ و بدل اصل مسائل کو سطحی طور پر حل کرنے کی کوشش ہے۔

اب ذرا اس کوشش کا بھی مفصل جائزہ لے لیں۔

سب سے پہلا مسئلہ کم از کم اجرت کا مسئلہ ہے مزدوروں کی طرف سے پچھلے دس سال سے یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ کم از کم اجرت ڈیڑھ سو روپے مقرر کی جائے۔ ضروریات زندگی کی قیمتوں میں اضافے کے پیش نظر یہ حد دو سو روپے تک بڑھائی گئی۔ کراچی کی حالیہ سہ فریقی کانفرنس میں اس سلسلے میں مزدوروں کی طرف سے حکومت کے فراہم کردہ اعداد و شمار کی بنا پر جو حد مقرر کی گئی وہ مغربی پاکستان کے لئے دو سو ساٹھ بیٹھی حکومت یا آجرین کے نمائندے کسی دلیل سے اس مطالبے کو غلط ثابت نہ کرسکے۔ اس کے علاوہ ۲۳ مارچ سنہ ۱۹۶۹ء کو مغربی پاکستان کے اس وقت کے گورنر نے کم از کم ڈیڑھ سو روپے کے مطالبے کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا تھا۔ لیکن ان تمام باتوں کو نظر انداز کرکے مختلف علاقوں کے لئے کم از کم اجرت کی سطحوں کا اعلان کیا گیا ہے یعنی ۱۴۰ - ۱۲۵ - اور ۱۱۵ اجرتوں کا یہ تعین کس بنیاد پر کیا گیا ہے یہ واضح نہیں ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اس سلسلے میں مصارفِ زندگی کو بنیاد نہیں بنایا گیا ورنہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ بعض صنعتی مرکزوں

میں مصارفِ زندگی کراچی سے بھی زیادہ ہیں جبکہ وہاں اجرتیں کم رکھی گئی ہیں۔ دوسری طرف پچاس ملازموں کی شرط لگاکر مزید الجھاؤ پیدا کیا گیا ہے۔ ایک طرف تو مسئلہ ہے کہ جن اداروں میں ملازمین کی تعداد پچاس اور سو کے درمیان ہے وہاں کے ملازمین کی تعداد فیکٹریز ایکٹ میں بیس، پچیس اور تیس بتائی گئی ہے اسی کو بنیاد بناکر ایسے ادارے اب تک اسٹینڈنگ آرڈر پر عمل کرنے سے انکار کرتے رہے ہیں۔ یقینی بات ہے کہ یہ ادارے کم از کم اجرت ادا نہیں کریں گے۔ اور قطعی امکان اس بات کا ہے کہ ایسے ادارے اپنے ملازمین کی تعداد گھٹاکر ریکارڈ میں پچاس سے کم کردیں گے اور اس طرح کم از کم اجرت بھی ادا کرنے سے بچ جائیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس بات کا کوئی جواز نہیں کہ ایک ہی طرح کا کام کرنے والے مزدور اگر بڑے ادارے میں کام کریں تو انہیں زائد مزدوری ملے۔ اس سے متعلق یہ بات بھی ہے کہ پچاس سے کم ملازم رکھنے والے اداروں کے مزدوروں کی قسمت کا فیصلہ صوبائی ویجز بورڈ پر چھوڑ دیا گیا ہے اور اس بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے کسی مدت کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس صورتِ حال سے منڈی میں مزاجی کیفیت کا پیدا ہونا ضروری ہوگا۔ کیونکہ چھوٹا صنعت کار پہلے ہی نسبتاً کم دام پر مال بیچتا ہے۔ اس طرح قیمتوں میں بڑا فرق واقع ہوگا اور بڑے اور درمیانہ صنعت کار کے لئے مشکلات پیدا ہونگی۔ چوتھی بات یہ کہ صرف غیر ہنر مند مزدوروں کی اجرت مقرر کی گئی ہے۔ جبکہ نیم ماہر۔ درمیانہ ماہر اور ماہر مزدوروں کی اجرتوں کو آئندہ سوداکاری پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ خود زیر بحث پالیسی میں منظم مزدوروں کی تعداد کم ہے اور مزدوروں کی تنظیموں کی کمزوری کا اعتراف کیا گیا ہے۔ اس میں مزید اضافہ یہ ہوا ہے کہ مارشل لاء کے دوران ٹریڈ یونین سرگرمیوں پر پابندیوں کی وجہ سے پرانی منظم یونینیں تک انتشار کا شکار ہو رہی ہیں۔ ایسی صورت میں مزدوروں کے لئے یہ ممکن نہ ہوگا کہ مستقبلِ قریب میں اجتماعی سوداکاری کے ہتھیار کے ذریعے اپنی اجرتیں بڑھوا سکیں۔ اور اجتماعی سوداکاری کے راستے میں جو مشکلات مجوزہ قانون سے پیدا ہونگی (جن پر ہم آگے بحث کریں گے)، ان کی وجہ سے اجرتوں کا بڑھوانا مزید مشکل ہوگا۔ پانچویں بات یہ ہے کہ سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کو اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ سب سے بڑے آجر کی حیثیت سے حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی

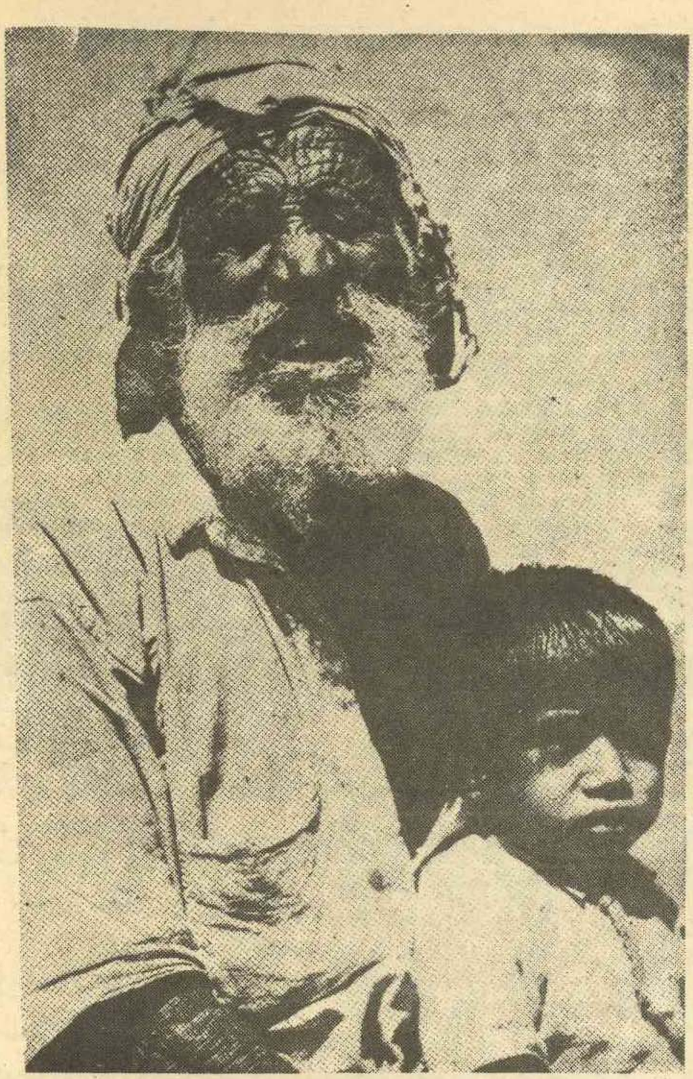

یہ بوڑھا مزدور جس نے اپنا خون سرمایہ دار کو موٹا کرنے میں صرف کر دیا ھے۔ اب بڑی محبت سے اپنے معصوم بچے کو تیار کر رھا ھے۔ تاکہ نیا اور جوان خون چار ملوں کی آٹھ ملیں بنانے میں صرف ہو سکے۔

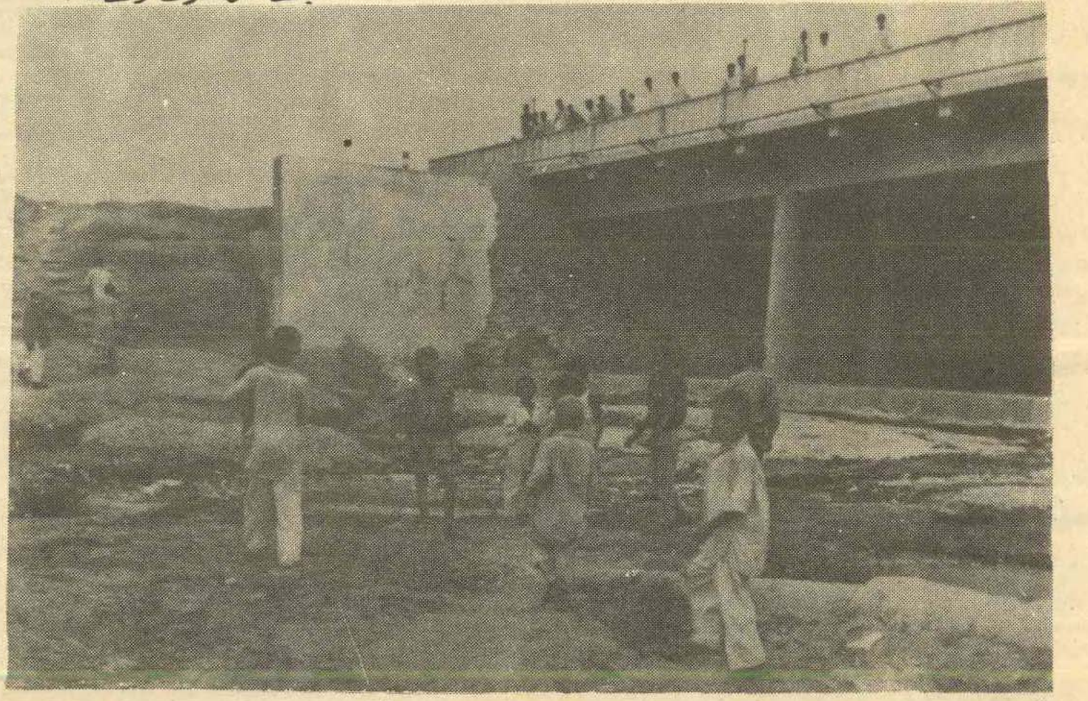

یہ بھی قوم کے نونہال ھیں، یہ مزدوروں کے بچے ھیں۔ پاکستان کا مستقبل ان سے وابستہ ھے۔ یہی بستی نہیں۔ بلکہ تمام مزدور بستیاں اس کی طرح اسکول، صفائی۔ کھیل۔ ہسپتال اور دیگر تمام سہولتوں سے محروم ھیں۔

یہ کسی دیسی یا بناسپتی گھی کا ڈپو نہیں ہے۔ بلکہ دور دراز کے علاقوں سے پانی کے کنستر بھر کر مزدور بستی میں لائے جارہے ہیں۔ مزدوروں کو پانی بھی گھی کی طرح ہی ملتا ہے۔ کہتے ہیں کہ روکھی اور سوکھی روٹی کا نوالہ کھا کر ایک گھونٹ پانی پی لیا جائے تو نوالہ حلق سے اتر جاتا ہے۔ مگر نوالہ حلق سے اتارنے کیلئے بھی پیسے خرچ کرنے پڑتے ہیں۔

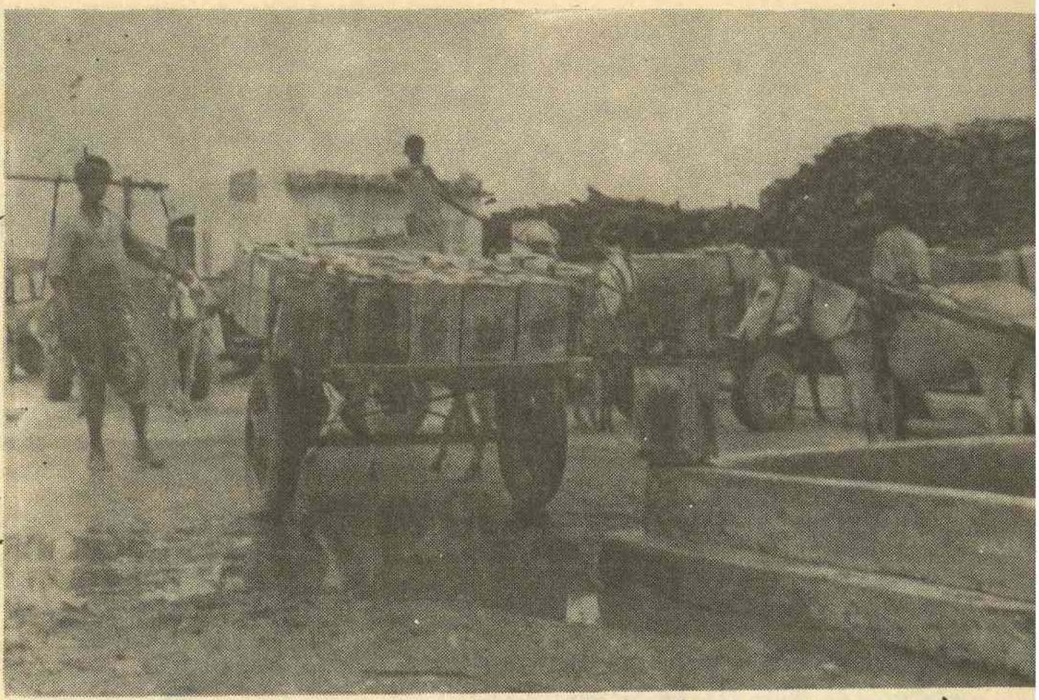

ہے کہ وہ نجی شعبے کے آجروں کے لئے مثال قائم کرے۔

چھٹی بات یہ ہے کہ اجرتوں کے اعلان کے ساتھ ہی یہ اعلان کیا گیا ہے کہ گھیراؤ کے ذریعے کئے جانے والے تمام معاہدے منسوخ کردیئے گئے ہیں جبکہ یہ معاہدے رف اجرتوں میں اضافے کے لئے نہیں کئے گئے تھے بلکہ دوسری سہولتیں اصل کرنے کے لئے بھی تھے ایسی سہولتیں جو مزدور اپنی اجتماعی سوداکاری کے حق کی غیر موجودگی کی وجہ سے حاصل نہ کر پائے تھے اور جن کا تسلیم کرنا جروں کی مالیات کو زیادہ شدت سے متاثر بھی نہیں کرتا دوسرے یہ کہ جنوری سے مارچ تک ہونے والے ہر معاہدے کو مالکان گھیراؤ کے تحت کیا ہوا عاہدہ قرار دے رہے ہیں۔ مارشل لار کے نفاذ کے بعد ایسی بیشمار مثالیں امنے آئی ہیں جن میں مالکان نے ان معاہدوں کو بھی گھیراؤ کے معاہدے قرار یا جو مصالحتی افسروں کے ہی ذریعے، طویل گفت و شنید کے بعد اور رضا و رغبت عمل میں آئے تھے۔

ساتویں بات یہ ہے کہ کم از کم اجرت میں تمام الاؤنس وغیرہ شامل ردیئے گئے ہیں جبکہ یہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ کم از کم اجرت میں صرف ہنگائی الاؤنس شامل ہوتا ہے اور ویجز بورڈ ہمیشہ اسی اصول پر عمل کرتے رہے ہیں اور کوئی دوسرا الاؤنس شامل نہیں کیا جاتا۔ کم از کم اجرت سے کرایہ کان اور سواری الاؤنس کاٹ لینے کی بھی اجازت دی گئی ہے جبکہ جہاں یہ سہولتیں مزدوروں کو دی جاتی ہیں یا تو وہ مفت ہیں یا اس کی شرح مجوزہ شرح سے بہت کم ہے۔

اس لئے

کم از کم اجرتوں کے تعین کی بنیاد طے ہونا چاہیئے اور اسی بنیاد پر مختلف نعتی مرکزوں کے لئے کم از کم اجرت کا تعین ہونا چاہیئے۔ اور ایک ایسا طریقہ ضع کیا جانا چاہیئے جس کے ذریعے قیمتوں میں اضافے کی صورت میں اجرتوں یں خود بخود اضافہ ہوجائے۔ ہر تیسرے سال نئے سرے سے کم از کم اجرتوں کا تعین ہونا چاہیئے۔ یہ اجرتیں ان تمام اداروں کے لئے ہونا چاہیئے جن پر فیکٹریز ایکٹ یا شاپس اینڈ اسٹیبلشمنٹس ایکٹ کا اطلاق ہوتا ہو۔ کم از کم اجرت کسی بھی علاقے کے لئے ۱۵۰ سے کم نہیں ہونا چاہیئے۔

مزدور تنظیموں کی موجودہ حالت کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ نیم ماہر۔ درمیانہ ماہر اور ماہر مزدوروں کی اجرتوں میں بھی فوری طور پر اضافہ ہونا چاہیئے۔

یہ صنعتی امن کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

کم اجرتیں سرکاری اور نجی شعبوں کے لئے یکساں ہونا چاہئیں۔

اجرتوں کے اس تعین کا مزدوروں اور مالکان کے درمیان ہونے والے معاہدوں پر اثر نہیں پڑنا چاہیئے۔

فلاحی فنڈ

فلاحی مقصد کے لئے مختص کی جانے والی رقم سے رہائشی مکانات کی تعمیر نہیں ہونا چاہیئے۔ اور اس بات کو بھی تسلیم کیا جانا چاہیئے کہ مکانات مہیا کرنے کے سلسلے میں پچھلی حکومت کی پالیسی ناکام ہوچکی ہے۔

رہائشی مکانات کی تعمیر کے لئے آجروں کے زیر استعمال سرمائے سے پانچ فیصد یکمشت یا قسطوں میں لیا جانا چاہیئے۔ اور مکانات کی تعمیر اور فراہمی کے لئے ایک خودمختار انتظامی ادارہ ہونا چاہیئے جو مختلف صنعتوں کی بنیاد پر کالونیاں تیار کرے اور جب تک ایک مزدور اس صنعت سے متعلق ہے اسے مکان کے استعمال کا حق ہونا چاہیئے۔ ادارے کی تبدیلی کا اس رہائش پر اثر نہیں پڑنا چاہیئے۔ اس انتظامی ادارے میں صنعت کاروں مزدوروں حکومت کے نمائندوں کی تعداد مساوی ہونی چاہیئے۔ مزدوروں کے نمائندے عام مزدوروں کے ووٹ سے براہ راست منتخب ہوں۔

ادارے کے اہم عہدوں پر باری باری ہر گروپ کے افراد کو مقرر ہونا چاہیئے۔

نمائندوں کے نااہل ثابت ہونے کی صورت میں مزدوروں کو انھیں ہٹانے کا حق ہونا چاہیئے۔ مالی امور میں بے قاعدگی یا غبن کی صورت میں ادارے کے اراکین کو حق ہونا چاہیئے کہ متعلقہ رکن اراکین یا ملازمین کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکیں۔

فلاحی فنڈ۔ تعلیم۔ صحت۔ تفریح اور بڑھاپے یا حادثے کی صورت میں بے کار ہونے والے مزدوروں اور ان کے زیر پرورش افراد کی مستقل امداد کے لئے صرف ہونا چاہیئے۔ اس خودمختار ادارے کے لئے بھی مزدوروں کے نمائندے عام مزدوروں کے ووٹ سے براہِ راست منتخب ہونے چاہئیں۔ ادارے کے اہم عہدوں پر ہر گروپ سے باری باری ایک ایک فرد کو مقرر ہونا چاہیئے۔ مزدوروں کو اپنے نااہل نمائندوں کو واپس بلانے اور ان کی جگہ نئے نمائندے بھیجنے کا اختیار ہونا چاہیئے۔ بدعنوانیوں کے خلاف قانونی چارہ جوئی

باقی صفحہ ۵۵

خبرنامہ

شالیمار سلک ملز مزدور یونین کے آٹھ عہدیداروں اور سرگرم کارکنوں کی گرفتاری

مزدوروں میں سخت بے چینی اور ہیجان

کراچی ۱۴ ستمبر (نمائندہ منشور) ۷ ستمبر کو پولیس نے شالیمار سلک ملز کے نائب صدر، جنرل سیکرٹری اور دوسرے چھ سرگرم کارکنوں کو حراست میں لے لیا۔ گرفتار ہونے والوں میں سے محمد بردلیش، حبیب الرحمٰن اور دوسرے دو کارکنوں پر مارشل ریگولیشن ۱۸ کے تحت مقدمہ چلانے کی تیاری کی جا رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ چار افراد پر دفعہ ۱۰۷، ۱۱۷ کے تحت گرفتار ہونے والے کارکنوں کو ضمانت پر رہا کروا لیا گیا ہے۔ اس مقدمہ کی پیروی جناب سید طارق علی ایڈووکیٹ مشیر قانونی قومی مزدور محاذ نے کی۔ مارشل لا کے تحت گرفتار ہونے والے ساتھیوں کی قانونی امداد کے لئے جناب ایم۔ ایم پیرزادہ جنرل سیکریٹری کراچی بار ایسوسی ایشن کی خدمات حاصل کر لی گئی ہیں۔ دریں اثنا انتظامیہ بقیہ مزدوروں اور ان کے نمائندے کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہے۔

یونین کے صدر، مجلس عاملہ کے ممبروں اور چار رہا شدہ مزدور کارکنوں کو جھوٹے الزامات پر مشتمل چارج شیٹیں جاری کی گئی ہیں۔ اور اتوار مورخہ ۷ ستمبر کو ہڑتال پر اکسانے کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ خصوصی بات یہ ہے کہ مارشل لا کے نفاذ کے ایک مہینے بعد ہی سے منیجمنٹ شالیمار سلک ملز لیمیٹڈ کی طرف سے مزدوروں کی اجرتوں میں کمی۔ معاہدے کی دفعات پر عمل درآمد کرنے سے انکار۔ کینٹین کی حالت جان بوجھ کر خراب کرنے۔ کاریگروں کے مفاد کے منافی ان کے عہدوں میں کمی یا انہیں قلی یا ہیلپر بنانے اور یونین کے عہدیداروں اور سرگرم کارکنوں کے غنڈہ گردی کے حربے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ جس کے متعلق کئی ٹیلیگرام درجنوں مراسلات اور سینکڑوں نجی درخواستوں کے باوجود متعلقہ محکموں میں کوئی مثبت کارروائی نہیں ہوئی اور اس وجہ سے مالکان نے بے فکری سے مزدور دشمن کارروائیاں شروع کر دیں اور ۶ ستمبر کی چھٹی دے کر اتوار چالو کرنے کا غیر واضح اعلان کر کے ۷ ستمبر کے دن مزدور کارکنوں پر اتوار چلانے سے روکنے کا الزام لگا کر مذکورہ کارکنوں کو گرفتار کروا دیا گیا۔

واضح ہو کہ ملز مالکان میں سے ایک سیٹھ صاحب سلک ملز اونرز ایسوسی ایشن کے مبینہ چیئرمین بھی ہیں۔ اور مزدوروں کی یونین کو اپنے لئے توہین کا باعث سمجھتے ہیں۔ اور یونین کے ضبط و تحمل اور مسائل کو آئینی ذرائع سے سلجھانے کے طرز عمل کے باوجود یونین دشمنی کے اقدامات کے مرتکب ہوتے آ رہے ہیں۔ قبل ازیں چھ نمائندوں کی غیر قانونی برطرفی ختم کروانے اور دیگر حقوق کے حصول کے لئے صنعتی عدالت میں مقدمہ زیر کارروائی ہے۔ اور اسی مقدمے کی وجہ سے مالکان کو اس طرح نمائندوں کو برطرف کرنے اور انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنانے کے مجاز نہیں ہیں۔

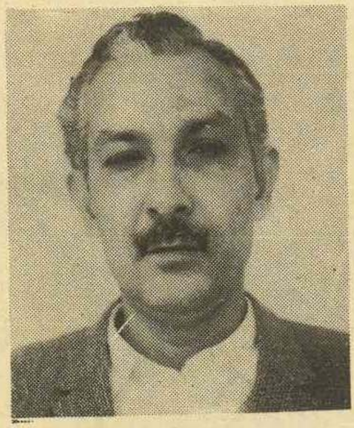

طفیل عباس صاحب کو

لیبر مشاورتی کونسل کا ممبر نامزد کر دیا گیا

کراچی ۱۹ ستمبر (نمائندہ منشور) قومی مزدور محاذ کے کنوینر اور ایئرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ کے صدر جناب طفیل عباس کو گورنر مغربی پاکستان جناب ایئر مارشل نور خان نے لیبر مشاورتی کونسل میں بحیثیت مشیر نامزد کیا ہے، یہ لیبر مشاورتی کونسل نئی لیبر پالیسی پر عمل درآمد کرے گی۔ مزدوروں کی طرف سے کمیٹی کے دیگر نامزد اراکین کے نام حسب ذیل ہیں:- جناب نبی احمد۔ جناب ایم اے خطیب۔ جناب محمد شریف۔ جناب محمد ابراہیم۔ جناب چودھری رحمت اللہ۔ جناب مظفر بلّا۔

اورینٹ انڈسٹریز کے مزدوروں کے خلاف مالکان کی مکروہ سازش

ائیر مارشل نور خان کے نام یونین کا ٹیلی گرام

کورنگی (نمائندہ منشور) اورینٹ انڈسٹریز لمیٹڈ کے مزدوروں میں سخت بے چینی اور اضطراب پھیلا ہوا ہے؛ واقعات یوں ہیں کہ مزدوروں نے اپنے مطالبات کا جو نوٹس مارشل لا سے قبل دیا تھا اس کا اب تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا ہے؛ اس سلسلہ میں کمپنی کے پرانے مالکان ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے، اب معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے کمپنی کو نئے مالکان کے ہاتھ بیچ دیا ہے؛ جب مزدوروں کے نمائندوں نے پرانے مالکان سے اپنے گذشتہ مطالبات کے لئے بات کی تو پرانے مالکان نے کہا کہ اب یہ مطالبات نئے مالکان طے کریں گے، لیکن نئے مالکان سے جب بات چیت کی گئی تو انھوں نے پرانے مطالبات کو پرانے مالکان کی ذمہ داری قرار دے کر ان مطالبات پر غور کرنے سے انکار کر دیا۔

مزدوروں نے اس سلسلہ میں مختلف درخواستیں متعلقہ حکام کو بھیجیں لیکن ان پر کوئی توجہ نہیں دی گئی، حکام کی اس لاپرواہی سے تنگ آ کر یونین نے ایک ٹیلی گرام گورنر مغربی پاکستان ائیر مارشل نور خان کے نام روانہ کیا ہے، جس میں گورنر سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ نئے مالکان سے اس بات کی ضمانت دلوائیں کہ وہ مزدوروں کے حقوق اور مطالبات منظور کریں گے!

کھاد فیکٹری ایمپلائز یونین ڈہرکی کے صدر برکت علی اور دیگر کارکنوں کے خلاف

انتقامی سرگرمیاں ختم کی جائیں

قومی مزدور محاذ سکھر کے رہنما افضال قریشی کا مطالبہ

سکھر ۲۲ اگست۔ قومی مزدور محاذ سکھر کے رہنما مسٹر افضال قریشی نے اپنے ایک بیان میں اس امر پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے کہ ایسو پاکستان کھاد فیکٹری ڈہرکی انتظامیہ نے یونین کے عہدیداروں اور دیگر سرگرم اراکین کو مزدوروں کے حقوق کے حصول کی جد و جہد میں حصہ لینے کے سبب ان کے خلاف انتقامی کارروائی شروع کر دی ہے، اور اس کا پہلا نشانہ یونین کے صدر جناب برکت علی ہیں جن کو بغیر کسی معقول وجہ کے غیر معینہ مدت کے لئے معطل کر دیا گیا کیونکہ وہ مزدوروں کے مسائل حل کرانے کے لئے اصولی اور ٹھوس جد و جہد کرتے تھے

معطلی کے احکامات کے ساتھ ہی ساتھ انھیں آئندہ ملازمت ختم کرنے کی دھمکی بھی تحریری طور پر دی گئی ہے۔

اس کے علاوہ میڈیکل اسٹاف کے چند اراکین کو بھی محض اس بناء پر ملازمت سے برخواست کر دیا گیا کہ انھوں نے میڈیکل آفیسر کی دھاندلیوں کے خلاف احتجاج کیا تھا اور ان دھاندلیوں میں ان کا ساتھ دینے سے انکار کرتے ہوئے یونین کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا تھا، ساتھ ہی ساتھ دیگر عہدیداروں اور سرگرم اراکین کو بھی دھمکیاں دی جا رہی ہیں، کہ یونین کی سرگرمیاں ختم کر دو، ورنہ ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے گا،

انھوں نے کہا کہ سرمایہ دار اپنی من مانی کر کے مزدوروں کو ملازمتوں سے نکال رہے ہیں، اس صورت حال سے کھاد فیکٹری ڈہرکے مزدوروں میں شدید بےچینی پھیل رہی ہے، انھوں نے کہا کہ انتظامیہ اس قسم کے اشتعال انگیز اقدامات سے گریز کرے تاکہ صورت حال خراب نہ ہو، آخر میں انھوں نے مطالبہ کیا کہ یونین کے صدر جناب برکت علی کو غیر مشروط طور پر فوراً ملازمت پر واپس لیا جائے اور میڈیکل اسٹاف کے اراکین کو بھی کام پر لیا جائے، اور یونین دشمن سرگرمیاں ختم کی جائیں؛

کھاد فیکٹری ایمپلائز یونین نے بھی اپنے ایک اعلامیہ میں مطالبہ کیا ہے کہ انتظامیہ کی معاونت سے قائم کی جانے والی لیبر سپلائینگ کمپنی کو فوراً ختم کیا جائے۔

واضح رہے کہ مذکورہ کمپنی انتظامیہ کو مزدور فراہم کرتی ہے اور ان سے ہر ماہ تنخواہ کا ایک معقول حصہ بطور کمیشن کاٹ لیتی ہے۔ ان مزدوروں کو مستقل ہونے کے وقت نوکری سے برخواست کر دیا جاتا ہے، اور لیبر سپلائنگ کمپنی فیکٹری کو دوسرے مزدور فراہم کر دیتی ہے؛ اس طرح انتظامیہ اور مذکورہ لیبر سپلائنگ کمپنی مل کر مزدوروں کا استحصال کر رہی ہیں،

اسٹیل کارپوریشن آف پاکستان ورکرز یونین کے عہدیداران و مزدوروں

کو مارشل لا کورٹ نے تین تین ماہ قید با مشقت کی سزا دی ہے

لانڈھی ۱۰ ستمبر (نمائندہ منشور) مارشل لا حکام نے اسٹیل کارپوریشن آف پاکستان ورکرز یونین لانڈھی کے نائب صدر عبدالواحد، جوائنٹ سکریٹری محمد غازی، پروپیگنڈہ سکریٹری عشرت اللہ بیگ اور یونین کے ممبران خدا بخش، نظام اور عزیز بٹ کو مارشل لا حکام نے تین تین ماہ قید با مشقت کی سزا سنا دی ہے۔ واضح رہے کہ مذکورہ مزدوروں کو اسٹیل کارپوریشن کی انتظامیہ کی اس اطلاع پر گرفتار کیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے ملز میں ہڑتال کرنے کے لئے مزدوروں کو اکسایا تھا۔

قومی مزدور محاذ کے آرگنائزر جناب طفیل عباس صاحب نے پچھلے دنوں گورنر مغربی پاکستان جناب ائر مارشل نور خاں صاحب سے اس سلسلے میں گفتگو کی اور انھیں بتلایا کہ ان مزدوروں کو صرف مل مالکان کی شکایت کی بنیاد پر گرفتار کیا گیا تھا، حالانکہ ملز انتظامیہ نے اپنے زرخرید غنڈوں کے ذریعہ ہڑتال کروانے کی ناکام کوششیں کر کے ان نمائندوں کو جھوٹی شکایت کر کے گرفتار کروایا ہے۔ جس سے ملک میں بااثر اہمیت کی حامل مینیجمنٹ کا صرف اور صرف ایک مقصد ہے کہ صحیح بنیادوں پر منظم اس فعال یونین کو انتشار کا نشان بنا کر اسے تباہ و برباد کر دیا جائے۔

داؤد کاٹن ملز کی انتظامیہ کی مزدور دشمن سرگرمیاں

یونین کے سرگرم کارکن نذیر حسین کی منتقمانہ برطرفی

لانڈھی (۱۰ ستمبر) قومی مزدور محاذ کے علاقائی دفتر میں مل مالکان کی مزدوروں کے خلاف انتقامی کارروائیوں کی تفصیلات روزانہ موصول ہو رہی ہیں۔ مارشل لا کی جانب سے مل مالکان کو عام مزدوروں کی برطرفی کے اختیارات مل جانے پر یونین کے سرگرم کارکنوں کے خلاف ان اختیارات کا ناجائز استعمال ہو رہا ہے۔ قومی مزدور محاذ کے علاقائی آرگنائزر عبدالمغیث صدیقی نے داؤد کاٹن ملز لیبر یونین کے سرگرم کارکن نذیر حسین کی غیر قانونی برطرفی پر سخت تشویش کا اظہار کیا ہے! انھوں نے کہا کہ ملز انتظامیہ نے مزدوروں کی واحد نمائندہ تنظیم لیبر یونین کو تاریخ تشکیل سے ہی ختم کرنے کے ناپاک منصوبے تیار کئے ہیں اور آئے دن یونین کے عہدیداران اور سرگرم کارکنوں کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

انتظامیہ کی طرف سے یونین کے خلاف سرگرمیوں سے تمام مزدوروں میں ہیجان پھیل رہا ہے اور یہ صورت حال صنعتی امن کے لئے خطرہ بھی بن سکتی ہے۔

مزدور رہنما نے اپنے بیان کے آخر میں متعلقہ حکام سے اپیل کی ہے کہ وہ ان افسوسناک واقعات کی روک تھام کریں، جیسا کہ اعلانات کئے جا رہے ہیں مزدور یہ آس لگائے بیٹھے ہیں کہ داؤد کاٹن ملز کی انتظامیہ کی غیر قانونی کارروائیوں کے خلاف متعلقہ حکام فوری کارروائی عمل میں لائیں گے۔

اورئینٹ انڈسٹریز ایمپلائز یونین رجسٹرڈ ہوگی

لانڈھی ۱۰ ستمبر (نمائندہ منشور) اورئینٹ انڈسٹریز ایمپلائز یونین کے جنرل سکریٹری محمد ایوب خاں نے یونین کا رجسٹریشن مل جانے پر کمپنی کی نئی انتظامیہ سے اپیل کی ہے کہ وہ یونین کو باقاعدہ طور پر تسلیم کرے اور مروجہ مزدور قوانین کے تحت مزدوروں کو تمام حقوق و مراعات دینے کا اعلان کرے انھوں نے اورئینٹ انڈسٹریز کے بہادر مزدور ساتھیوں سے بھی اپیل کی کہ وہ ماضی کی طرح آئندہ بھی یونین کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرتے رہیں تاکہ دیرینہ مطالبات و مسائل کے حل کے لئے بھرپور جد و جہد کی جا سکے۔ نیز انھوں نے قومی مزدور محاذ کے ساتھیوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ان کی عملی اور اخلاقی امداد کے سہارے اورئینٹ کے مزدوروں نے ایک جنگ جیت لی ہے اور آئندہ بھی قومی مزدور محاذ کی قیادت میں ہم فتح حاصل کرتے جائیں گے۔

قومی مزدور محاذ ملتان کے آرگنائیزر اشرف حسین رضوی کے ساتھ مبینہ غنڈہ گردی کی مذمت

حکومت امریکی سامراج کی کھل کر مذمت کرے

ملتان۔ ۲۵ر اگست۔ (اسٹاف رپورٹر) ڈبلیو پی۔ آئی۔ ڈی۔ سی کھاد فیکٹری ملتان کے مزدوروں نے انتظامیہ کی جانب سے فروری ۱۹۶۹ء کے معاہدے کی خلاف ورزی پر سخت افسوس کا اظہار کیا ہے، اور کارپوریشن کی انتظامیہ کے علاوہ مارشل لاء، سول حکام اور محکمہ محنت سے معاہدے پر عملدرآمد کرانے کی اپیل کی ہے،

کھاد فیکٹری لیبر یونین کے صدر مسٹر خان محمد نثار کی صدارت میں مزدوروں کے اجلاس میں معاہدہ کے نتیجہ میں بڑھائی گئی تنخواہوں کو عبوری امداد کے بجائے بنیادی تنخواہوں کا حصہ قرار دینے اور ان پر اوورٹائم، بونس، گریجوٹی پراویڈنٹ فنڈ اور الاؤنس وغیرہ دینے، معاہدے کے تحت بڑھائی گئی چھٹیوں کے ساتھ ساتھ پرانی چھٹیاں دینے جمعہ کو سات گھنٹے کے اوقات بحال کرنے اوورٹائم پر گیس الاؤنس اور کالونی سے باہر جاکر رہائش اختیار کرنے والوں کو کرایہ مکان کی ادائیگی کا مطالبہ کیا گیا۔

اجلاس میں قومی مزدور محاذ ملتان کے آرگنائزر مسٹر اشرف رضوی اور تھل جوٹ ملز مظفر گڑھ ورکرس یونین کے جنرل سیکریٹری ملک غلام عباس لنگڑیالی کے ساتھ جوٹ ملز انتظامیہ کی غنڈہ گردی کی مذمت کی گئی، اور مطالبہ کیا گیا کہ مجرموں کو عبرتناک سزائیں دی جائیں۔

حاضرین اجلاس نے ایسو کھاد فیکٹری ڈاہر کی ضلع سکھر کے سامراجی مالکان اور جڑانوالہ کھاد فیکٹری کے افسران کی مزدور کش سرگرمیوں پر غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے دونوں کارخانوں کے مزدوروں کو مکمل حمایت کا یقین دلایا،

امریکی سامراج کے پالتو اسرائیلی کتوں کے ہاتھوں مسجدِ اقصیٰ کی افسوسناک شہادت پر اجلاس نے شدید غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے فلسطینی مجاہدین کو بھرپور تعاون کا یقین دلایا ہے، اور حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ امریکی سامراج کی کھل کر مذمت کی جائے، اور پاکستانی رضاکاروں کو مجاہدین کے شانہ بشانہ لڑنے کے لئے جانے کی اجازت دی جائے،

امریکی سامراج کی شہ پر عرب ممالک کے خلاف کئے جانے والے شرانگیز پروپیگنڈے کی سخت مذمت کرتے ہوئے اسے فوراً بند کرنے کا مطالبہ کیا۔

دیگر مقررین کے علاوہ مقامی مزدور رہنما مسٹر ظہیر احمد تاج نے بھی اجلاس سے خطاب کیا

دادا بھائی پیپر ملز ورکرز یونین کو رجسٹریشن مل گیا

کورنگی، ۱ر ستمبر (نمائندہ منشور) دادا بھائی پیپر ملز ورکرز یونین کورنگی کے جنرل سیکرٹری سید عظیم الدین نے نمائندہ منشور کو بتایا کہ دادا بھائی پیپر ملز ورکرز یونین کو رجسٹرار آف ٹریڈ یونینز نے رجسٹریشن سرٹیفکیٹ دیدیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یونین کے باقاعدہ رجسٹرڈ ہوجانے کے بعد مزدوروں کے مسائل ومطالبات کی جدوجہد ایک نئے مرحلے میں داخل ہوگئی ہے اور یونین کے عہدیداران کی جانب سے کمپنی کی انتظامیہ کو مطالبات کے حل کے لئے درخواست دیدی گئی ہے۔ قومی مزدور محاذ کی سرکردگی میں ہم اپنے تمام مطالبات کو حل کروانے کے لئے جدوجہد کررہے ہیں اور آئندہ بھی قومی مزدور محاذ کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن رہکر ہم فتح حاصل کریں گے۔

ناعاقبت اندیش صنعتکار ظلم کے ذریعے مزدوروں کو جدوجہد سے نہیں روک سکتے

قومی مزدور محاذ لانڈھی کے رہنما عبدالمقیت کا انتباہ!

لانڈھی، (نمائندہ منشور) قومی مزدور محاذ کے رہنما عبدالمقیت نے اپنے ایک بیان میں اس بات پر سخت تشویش کا اظہار کیا ہے کہ لانڈھی وکورنگی کے صنعتکاروں میں ایک غیر حقیقت پسند اور بزدلانہ رجحان یہ پایا جاتا ہے کہ ان کے بے رحم استحصال کے نتیجہ میں اپنے مطالبات کو تسلیم کرانے کے لئے مزدور اتحاد اور یکجہتی کے ذریعہ اپنی یونین بنانے کی جب بھی کوشش کرتے ہیں، وہ فوری طور پر ان کی یونین کے عہدیداروں کے خلاف اندھا دھند منتقمانہ کارروائی شروع کردیتے ہیں اور اس طریقہ سے مزدور کارکنوں کو اپنی بربریت کا نشانہ بناکر بے روزگاری کے اندھے کنوئیں میں ڈھکیل دیتے ہیں تاکہ دوسرے عام مزدوروں میں خوف وہراس کی فضا پیدا کی جاسکے؛

عبدالمقیت نے مزید بتایا کہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی داؤد کاٹن ملز کے مزدوروں کی یونین کے جنرل سیکریٹری پر غنڈہ عناصر اور بدمعاشوں سے حملہ کرانا تھا،

انھوں نے صنعتکاروں کو متنبہ کیا کہ وہ ان ذلیل اور مزدور کش حرکات سے فی الفور باز آجائیں اس لئے کہ وہ ظلم کے ذریعہ مزدوروں کو جدوجہد سے نہیں روک سکتے،

عبدالمغیث نے سرمایہ داروں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ بیجا ظلم اور تشدد کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکلتا، اور تاریخ شاہد ہے کہ ظلم سدا باقی نہیں رہتا!

عبدالمقیت نے متعلقہ حکام سے اپیل کی ہے کہ وہ ان غیر قانونی کارروائیوں کے سلسلوں کو فوراً بند کرائیں، اور یونینوں کے عہدیداروں اور دیگر مزدوروں کی ملازمت بحال کرائیں،

کوہ نور ٹیکسٹائل ملز مزدور یونین کا قیام عمل میں آگیا

راولپنڈی۔ ۷ر ستمبر۔ آج بروز اتوار فضل آباد میں کوہِ نور ٹیکسٹائل مل کے مزدور نمائندوں کا ایک اجلاس سردار محمد ایوب خان کی زیر صدارت ہوا جس میں تقریباً پانچ صد مزدوروں کی نے شرکت کی۔ اس میں کوہِ نور ٹیکسٹائل ملز مزدور یونین کا قیام عمل میں لایا گیا، جس میں اتفاق رائے سے مندرجہ ذیل افراد کو عہدہ دار منتخب کیا گیا

صدر ۔ سید اجمیر شاہ
سینئر نائب صدر ۔ راجہ غلام سرور
جنرل سیکریٹری ۔ سید ریاض الدین گیلانی
پروپیگنڈہ سیکریٹری ۔ عدالت خان
نائب صدر ۔ محمود خان
جونیئر نائب صدر ۔ صوفی عبدالحمید
جوائنٹ سیکریٹری ۔ مسٹر غلام محمد

خزانچی ۔ صوفی حفیظ احمد ہاشمی
ممبران ایگزیکٹو کمیٹی (۱) قدیر خان (۲) شمس خان (۳) میر غلام نبی (۴) غلام محمد صدیقی (۵) مسٹر محمد سعید (۶) قاضی مہربان (۷) چوہدری غلام محمد (۸) چوہدری امام علی

مجلس عاملہ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

سرکاری ملازمین سمیت تمام مزدوروں کے لئے مکمل حق ہڑتال بحال کیا جائے

قومی مزدور محاذ ملتان کے رہنما اشرف حسین رضوی کا مطالبہ

عظیم رہنما ہوچی من کی وفات کے غم کو امریکی سامراج کیخلاف شدید نفرت میں بدل ڈالو

قومی مزدور محاذ لاہور کے کنوینر ابن ایوب کی تلقین

لائل پور ۵ ستمبر، مزدور کمیٹی کے زیر اہتمام مزدوروں کا ایک اجتماع ہوا، جس میں نئی لیبر پالیسی، مجوزہ مزدور قوانین اور کم از کم اجرتوں کی شرح پر غور کر کے انہیں غیر تسلی بخش قرار دیا گیا، اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ سرکاری ملازمین سمیت تمام مزدوروں کے لئے مکمل حقِ ہڑتال بحال کیا جائے، نیز انجمن سازی کی آزادی ماہر و نیم ماہر و سرکاری و نیم سرکاری مزدوروں کے لئے کم از کم تنخواہ مقرر کرنے اور قومی مزدور محاذ کی پیش کردہ تجاویز کے مطابق مزدور قوانین میں تبدیلیوں کے مطالبات بھی کئے گئے،

- اجلاس میں مقامی قلیوں اور نیشنل سلک ملز کے مزدوروں نیز ڈھیرکی، جڑانوالہ اور ملتان کی کھاد فیکٹریوں کے مزدوروں کے مطالبات کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا کہ وہ فوری طور پر مداخلت کر کے مطالبات تسلیم کرائے،

اجتماع سے قومی مزدور محاذ ملتان کے آرگنائزر اشرف حسین رضوی راولپنڈی لاہور اور لائلپور کے رہنماؤں محمد اکرم۔ ابن ایوب اور اشرف جنجوعہ نے خطاب کیا، اور مختلف مقامی تنظیموں کے نمائندوں نے شرکت کی۔

اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے جنگِ ستمبر کے شہیدوں کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا، اور مطالبہ کیا کہ آزمائش کی گھڑی میں پاکستان کا ساتھ دینے والے ممالک عوامی چین، ایران، ترکی اور عرب ممالک و افریشیائی اقوام سے تعلقات مضبوط کئے جائیں، اور بھارت اور بھارت کو جارحیت پر اکسانے والے امریکی سامراجیوں اور روسی حکمرانوں سے تعلقات منقطع کئے جائیں۔

ایک اور قرارداد کے ذریعہ ویت نام کے عظیم رہنما صدر ہوچی من کی وفات پر شدید غم کا اظہار کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کیا گیا کہ ویت نامی عوام ایسے انقلابی لیڈر کی وفات کے غم کو امریکی سامراجی درندوں کے خلاف شدید نفرت میں بدل کر آخری فتح تک اپنی مقدس جنگ جاری رکھیں گے، اور دنیا بھر کے مظلوم و محکوم عوام اپنی آزادی کے لئے بہادر ویت نامیوں کی تقلید کریں گے۔

ایک دوسری قرارداد کے ذریعہ مسجدِ اقصیٰ کو آگ لگانے کی ناپاک جسارت کی مذمت کی گئی؛ اور مطالبہ کیا گیا کہ اسرائیل اور اس کے سامراجی آقاؤں کے خلاف عربوں کی بھرپور امداد کی جائے۔ نیز اندرونِ ملک امریکی ایجنٹوں کی طرف سے عرب ممالک کے خلاف پھیلائے جانے والے جھوٹے اور گمراہ کن پروپیگنڈے پر فوراً پابندی عائد کی جائے۔

پیپلز اسپورٹس کلب نئی کراچی کے زیر اہتمام

یومِ دفاع کا شاندار پروگرام

جناب طفیل عباس نے انعامات تقسیم کئے

یومِ دفاعِ پاکستان ۶ ستمبر ۶۹ء کو پیپلز اسپورٹس کلب نئی کراچی نے مختلف کھیل کود کے مقابلے منعقد کروائے۔ مہمانِ خصوصی جناب طفیل عباس تھے جو کہ قومی مزدور محاذ کے کنوینر اور ایئرویز ایمپلائز یونین کے صدر ہیں۔ انعامات کی تقسیم سے پہلے پیپلز اسپورٹس کلب کے محمد فاروق نے کلب کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ کلب کا بنیادی مقصد نئی کراچی میں رہنے والے بچوں کے لئے ایک صحت مند ماحول پیدا کرنا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ کلب عوامی کلب ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم نے پچھلے سال بھی اپنی بستی کے ایک فرد کو مہمانِ خصوصی بنایا گیا تھا اور اس مرتبہ پھر ہمارے اس جلسے کے مہمانِ خصوصی ایک مزدور رہنما ہیں۔ ہمارے نزدیک مہمانِ خصوصی کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ آنے والے فرد کی شان میں قصیدہ پیش کیا جائے اور اس کے صلے میں چند سکے بٹور لئے جائیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہم نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی ہے کہ کلب کے کھلاڑیوں کو نمائشی میچ میں موقع دیا جائے۔ تاکہ ان کی ہمت افزائی ہو سکے۔ کیونکہ عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ اس قسم کے میچوں میں باہر کے کھلاڑیوں کو اپنے کلب کے کھلاڑیوں پر فوقیت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد انجمن محبانِ وطن کے جنرل سکریٹری موسیٰ رضا پاشا نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انجمن محبانِ وطن کراچی کی تمام متحرک اور فعال تنظیموں سے تعاون کی خواہش رکھتی ہے۔ اس کا ثبوت پیپلز اسپورٹس اور انجمن محبانِ وطن کا یہ رشتہ ہے جس کے تحت آج ہم ایک جگہ کھڑے ہیں۔

آخر میں مہمانِ خصوصی جناب طفیل عباس نے ۶ ستمبر ۶۵ء کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے پاکستان کی بہادر افواج اور عوام کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ انہوں نے کھیل کود کی اہمیت پر بھی زور دیا۔ اور کہا کہ مزدور بستیوں میں اس کا بطورِ خاص انتظام ہونا چاہئے انہوں نے مزدوروں۔ کسانوں۔ طالب علموں اور دانشوروں کے اتحاد پر زور دیتے ہوئے کہا کہ تمام مظلوموں اور استحصال شدہ طبقوں کو ایک ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ دشمن بھی ایک ہو گئے ہیں۔ انہوں نے قومی مزدور محاذ کو اس سلسلے کی ایک کڑی بتایا۔ اس پروگرام کا آغاز صبح ۸ بجے نئی کراچی کے پرائمری اسکولوں کے بچوں کی دوڑ سے ہوا۔ دوپہر میں کرکٹ اور شام کو فٹ بال کے دو نمائشی میچ ہوئے۔ (باقی صفحہ ۵۵ پر)

جناب طفیل عباس سے کھلاڑیوں کا تعارف کرایا جا رہا ہے

ہمیں اپنی طاقت کا اندازہ دشمن کے حملوں سے ہوتا ہے طفیل عباس

ہم انشاءاللہ امریکی ایجنٹوں کا سر کچل کر رکھ دیں گے حاجی محمد عالم

ہم سامراجی ایجنٹوں کا سر کچل کر رکھ دیں گے

یونین گارڈز اور اراکین مجلس عاملہ کے اجتماع سے حاجی محمد عالم اور طفیل عباس صاحب خطاب کر رہے ہیں

کراچی ۱۸ ستمبر (نمائندہ منشور) ایئرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ کراچی (رجسٹرڈ) کے عہدیداران، اراکین مجلس عاملہ، یونین گارڈز اور سرگرم کارکنوں کا ایک عظیم الشان اجتماع ۱۸ ستمبر کو شام ساڑھے تین بجے اسٹاف کینٹین ایئرپورٹ میں منعقد ہوا۔ جس میں مزدوروں نے انتہائی جوشیلے انداز میں سامراجی ایجنٹ جماعت مودودی کے خلاف اپنی شدید نفرت اور غصے کا اظہار کیا۔ واضح رہے کہ جماعت مودودی کے ایک نئے رسالہ 'زندگی' نے اپنے دوسرے شمارہ (۱۵ ستمبر ۶۹ء) میں پی آئی اے کے جیالے اور باشعور مزدوروں کی نمائندہ یونین ایئرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ، اس کے عہدیداران اور اس کے ترجمان "منشور" کے خلاف انتہائی گھناؤنے انداز میں پروپیگنڈہ کیا ہے۔

اس موقع پر اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے یونین کے سینئر نائب صدر حاجی محمد عالم نے کہا کہ جب سے یہ یونین بنی ہے ہم نے انتہائی ایمانداری اور خلوص سے اس میں کام کیا ہے اور اسی بنیاد پر مزدوروں کی اکثریت کو ہم پر اعتماد رہا ہے جس دن اکثریت کا اعتماد ہم پر سے اٹھ گیا اور لوگوں نے ہم سے کہہ دیا کہ ہم یونین چھوڑ دیں، ہم نہ صرف یونین بلکہ پی آئی اے بھی چھوڑ دیں گے۔ لیکن یہ مٹھی بھر سازشی جماعت اسلامی کے گرگے، امریکی سامراج کے ایجنٹ اگر چاہیں کہ اسلام کے نام کی آڑ میں سازشوں سے یونین توڑ دیں گے تو ہم انہیں بتا دینا چاہتے ہیں کہ مزدوروں کے ہاتھوں میں بہت جان ہے یہ ہاتھ نہ صرف ان سازشیوں کے چہروں سے نقاب اتار سکتے ہیں بلکہ ان کی گردن بھی مروڑ سکتے ہیں۔

محمد عالم صاحب نے کہا کہ ہم بفضل خدا مسلمان ہیں اور ہمیں اس کے لئے کسی مودودی سے سند کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ہم یہ بھی بتا دیں کہ ہم مودودی کے اسلام کو اسلام نہیں مانتے۔ ہم حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت ابوذر غفاریؓ کے اسلام کو مانتے ہیں۔ مودودی کا اسلام یزید کا اسلام ہے ہم اسے کبھی بھی نہیں مان سکتے۔

حاجی محمد عالم صاحب کے بعد یونین کے صدر اور قومی مزدور محاذ کے کینوینر طفیل عباس صاحب نے کہا کہ جماعت مودودی اور تمام رجعت پرست طاقتوں کے ہماری یونین پر حملے نئے نہیں ہیں بلکہ جب سے یہ یونین قائم ہوئی ہے یہ حملے اسی وقت سے جاری ہیں۔ اور جوں جوں ہم پر حملے بڑھے ہیں ہم مزید مضبوط ہوئے ہیں۔ ہمارے اوپر جماعت مودودی کے رسالے جو کہ خود امریکی رسالہ "لائف" میگزین کا ترجمہ ہے نے جو الزامات لگائے ہیں ان میں سے بیشتر باتیں بالکل درست ہیں اور ہم ان کا برملا اعلان کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ ہم پر الزام ہے کہ ہم مزدوروں اور کسانوں کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یقیناً ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ۹۵ فیصد مزدور اور کسان ہی اس ملک کے وارث و مالک ہیں اور انہیں کی حکومت میں ان کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

ہم پر ایک الزام یہ ہے کہ ہم چین دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ چین کے مخلصانہ کردار کی وجہ سے تو جماعت مودودی جیسے منافق بھی چین دوستی کی بات کرنے پر مجبور ہیں، گو کہ وہ اندر ہی اندر چین کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ امریکی سامراج کے اشارے پر بھارتی توسیع پسندوں نے جب پاکستان پر حملہ کیا تھا تو عظیم عوامی جمہوریہ   ۔ انڈونیشیا۔ ایران۔ ترکی اور سعودی عرب نے پاکستان کی حمایت کی تھی۔ ان دوست ملکوں سے دوستی یقیناً بڑھائی جائے، عوام اور پاکستان کے کھلے ہوئے دشمن امریکی سامراج سے سارے تعلقات توڑ لئے جائیں۔

طفیل عباس صاحب نے کہا کہ ہم جماعت اسلامی کے الزامات کا مکمل اور بھرپور جواب شائع کر رہے ہیں اور نہ صرف جواب بلکہ ان کے لگائے ہوئے الزامات بھی پورے کے پورے شائع کر رہے ہیں۔ اگر جماعت اسلامی کے پاس ہمت ہے اور اخلاق ان کو چھو کر بھی گیا ہے تو وہ بھی اپنے رسالوں میں ہمارا جواب بھی چھاپیں۔

طفیل صاحب نے کہا کئی بار امریکی سفارت خانے کے افسر میرے دفتر میں آئے اور پاکستان کی صورت حال پر بات کی۔ ہم نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ اپنے ملک کے معاملات ہم خود نپٹ لیں گے امریکی سامراج کو اس میں مداخلت کی اجازت نہیں دیں گے۔ اب جماعت اسلامی کی مزدور یونینوں میں بڑھتی ہوئی دلچسپی سے معلوم ہوگا

ریکہ کو اور اس کے سفارت خانے کو پی آئی اے اور پاکستان سے کس قدر دلچسپی ہے۔

طفیل صاحب نے کہا کہ ہم پی آئی اے کے مزدوروں کو آپس میں لڑانے کی بھی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے اور محنت کشوں کے عظیم اتحاد یونین کے مقدس وجود کو بچانے کیلئے ہر قسم کی قربانی دیں گے۔

آخر میں طفیل عباس صاحب نے یونین کے رجسٹرڈ ہونے کی خوشخبری سنائی بتایا کہ ہم نے اس سے پہلے یونین کو رجسٹرڈ اس لئے نہیں کرایا تھا کہ پی آئی اے ربی و مشرقی پاکستان میں پھیلی ہوئی ہے اور دونوں صوبوں میں الگ الگ رڈ کرانا پڑتا۔ دوسرے رجسٹرڈ کرانا قانونی طور پر ضروری بھی نہیں تھا جس کا فیصلہ عدالت عالیہ دے چکی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اب ہم نے بھی یونین رجسٹرڈ کرالی ۔ مزدوروں نے یونین کے رجسٹریشن پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا اور خوشی میں ردست تالیاں بجائیں۔

اس کے بعد جلسے نے جماعت اسلامی کے حملوں کا ہر طرح سے مقابلہ کرنے کیلئے سارے مالی وسائل استعمال کرنے کی منظوری دی۔

دوروں کے بڑھتے ہوئے پیچیدہ مسائل کو فوری طور پر حل کیا جائے

ین کے جنرل سیکریٹری عثمان علی کی اپیل

لانڈھی (نمائندہ منشور) آئل اینڈ گیس ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے مزدوروں کی ں حالی اور پریشانی پر سخت تشویش کا اظہار کرتے ہوئے یونین کے جنرل سیکریٹری عثمان علی حکام متعلقہ اپیل کی ہے کہ وہ مزدوروں کے بڑھتے ہوئے اور پیچیدہ مسائل عدم توجہی ختم کرکے فوری طور پر ان کو حل کرانے کی کوشش کریں، تاکہ مزدوروں کے ل اور مطالبات کا کوئی نتیجہ برآمد ہو سکے؛

عثمان علی نے کارپوریشن کی انتظامیہ پر الزام لگاتے ہوئے کہا کہ کارپوریشن نے ارچ تا ۲۵ مارچ ۶۹ء کی خود رو ہڑتال کے وقفے کی اجرتیں مزدوروں کو ادا نہیں جبکہ مارشل لاء حکام نے اس سلسلہ میں قطعی اور واضح احکامات صادر کر دیئے اور تمام دوسری صنعتوں اور کمپنیوں میں اس وقفہ کی اجرتیں مزدوروں کو ادا گئی ہیں۔ نیز یہ کہ مارشل لاء کے احکامات کے باوجود کارپوریشن کے مزدوروں کو عبوری امداد نہیں دی گئی ہے۔ جبکہ دوسری جگہوں پر جہاں عبوری امداد کا نفاذ عبوری امداد ادا کر دی گئی ہے

نمائندہ منشور سے بات کرتے ہوئے عثمان علی نے اس بات کا بھی انکشاف کیا کہ ینڈ گیس ڈیولپمنٹ کارپوریشن میں کام کرنے والے مزدور چھ سال کی مدت ت کے باوجود اب تک اتفاقی مزدور (casual Labour) کہلاتے ہیں، اس لحاظ سے انھیں مستقل ملازمین کو ملنے والی سہولتوں سے یکسر محروم رکھا ، نہ تو انھیں حاضری کارڈ کی فوٹو پاس جاری کیئے جاتے ہیں، نہ ہی مروجہ مزدور قوانین ملنے والی اتفاقی و بیماری کی چھٹیاں اور نہ ہی حکومت کی منظور شدہ چھٹیاں دی جاتی ہیں، یوم آزادی، عیدین، یوم دفاع پاکستان جیسے اہم دنوں کی چھٹیوں ھی ان کی اجرتوں میں سے کاٹ لیا جاتا ہے۔

منشور سب کا ہے
خود پڑھئے اور دوسروں کو
پڑھوائیے

پیپلز اسپورٹس کلب

ص ۵۳ کے آگے

شام ۵ بجے پیپلز لائبریری کا افتتاح کرتے ہوئے مہمان خصوصی جناب محمد عثمان صاحب نے کہا کہ یہ لائبریری جہالت کے خلاف ایک جنگ ہے اور مزدور بستیوں میں جہاں تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ انہوں نے صحتمند معاشرہ کے لئے ان سرگرمیوں کو ضروری قرار دیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے پیپلز اسپورٹس کے منتظمین اور کارکنوں کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ یہ آپ ہی کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اسی رات ۹ بجے ایک محفل مشاعرہ منعقد ہوئی جس کی صدارت جناب جمیل الدین عالی نے کی۔

اس طرح ۶ ستمبر ۶۹ء کی طلوع سحر سے شروع ہونے والا پروگرام رات کے پچھلے پہر تک جاری رہا۔

بقیہ لیبر پالیسی پر تنقیدی جائزہ

کا حق ادارے کے ہر رکن کو ہونا چاہیئے۔

دوکانوں کے ملازمین بھی انصاف کے طلبگار ہیں

شاپ ایمپلائز یونین سکھر کے جنرل سیکریٹری جناب افضال قریشی نے اپنے ایک اخباری بیان میں اس امر پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے کہ دکانوں کے مالکان ملازموں سے اب بھی آٹھ گھنٹے سے زیادہ کام لے رہے ہیں اور اس طرح مارشل لاء کے احکامات کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر رہے ہیں جبکہ دوکانوں سے متعلق نئی لیبر پالیسی میں اس امر کی صاف طور پر وضاحت کر دی گئی ہے کہ ملازموں کے اوقات کار صبح نو بجے سے شروع ہو کر دوپہر کو ایک بجے تک اور تین بجے سے آٹھ بجے تک۔ مگر اس کے باوجود بعض مالکان صبح سات بجے سے ہی دوکانیں کھول کر مزدوروں سے رات نو بجے تک کام لے رہے ہیں۔

مارشل لاء احکامات کی یہ کھلم کھلا خلاف ورزیاں مزدوروں میں بے چینی پھیلا رہی ہیں۔ لیکن سرمایہ دار اس پر بھی مطمئن نہیں اور ان کے ترجمان ایسے بیانات دے رہے ہیں جن میں مزدوروں کو ملی ہوئی موجودہ ناکافی مراعات کو بھی ختم کرنے کی اپیل کی گئی ہے اس طرح وہ تحریری اور عملی طور پر ہر دو صورتوں کے ذریعے مزدور دشمن پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ ان کی یہ منفی سرگرمیاں یقینی طور پر قابل مذمت ہیں انہوں نے آخر میں مطالبہ کیا ہے کہ مزدوروں سے آٹھ گھنٹے سے زیادہ کام نہ لیا جائے اور بصورت دیگر ڈبل اوور ٹائم دیا جائے۔ مزدوروں کے لئے ہر دوکان پر کام کے اوقات تحریر کئے جائیں۔ ملازم کو ایک ماہ کے نوٹس یا ایک ماہ کی پیشگی تنخواہ کے بغیر ملازمت سے نہ نکالا جائے۔ چند مالکان اپنے ملازموں کو بونس دیتے ہیں انھوں نے مطالبہ کیا ہے کہ تمام مالکان اپنے ملازموں کو بونس کی ادائیگی پابندی سے کریں اور اٹھارہ سال سے کم عمر کے ملازمین کو کم سے کم ۷۵ روپے ماہوار کی تنخواہ مقرر کریں۔

یہ ملک ۹۵ فیصد مزدوروں و کسانوں کا ہے ۵ فیصد لٹیروں کا نہیں ہے

محنت کش عوام کے مسائل اسی وقت حل ہو سکتے ہیں جبکہ حکومت عوام کے نمائندوں کی ہو' طفیل عباس

کراچی اومنی بس سروس ایمپلائز یونین کے دفتر کا افتتاح

کراچی ۲۳ اگست (نمائندہ منشور) قومی مزدور محاذ کے کنوینر اور ایرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ کے صدر جناب طفیل عباس نے ملیر میں اومنی بس سروس ایمپلائز یونین کے دفتر کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے طفیل صاحب نے کہا پاکستان کے لئے مسلمانوں نے صرف اس لئے قربانیاں دی تھیں کہ اس آزاد اور اسلامی مملکت میں انھیں معاشرتی و معاشی انصاف میسر ہوگا۔ خود قائد اعظم نے عوام کو یہ یقین دلایا تھا کہ یہ ملک عوام کا ہوگا اور یہاں اسلامی سوشلزم قائم کیا جائے گا لیکن قیام پاکستان سے آج تک یہاں وہی جاگیردار اور اجارہ دار سرمایہ دار عوام کے سینوں پر سوار ہیں جنہوں نے آزادی سے پہلے برطانوی سامراج کی حاشیہ برداری اور چاپلوسی اور عوام سے غداری کر کے انعامات میں جاگیریں حاصل کی تھیں گزشتہ بائیس سال کی لوٹ کھسوٹ نے محنت کش عوام کو باشعور بنا دیا ہے اور اب یہ جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام یقیناً ختم ہو کر رہے گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ملک کو بنائیں سنواریں تو مزدور اور کسان جو کہ ۹۵ فیصد ہوتے ہیں لیکن ان کی محنت کے پھل سے عیش کریں مٹھی بھر لٹیرے ہمیں عوام کو یہ بات سمجھانی چاہئے کہ جب تک ان کی نمائندگی انھیں کے لوگ نہیں کریں گے کوئی بھی جمہوریت بے معنی رہے گی۔ عوام کو یہ بتانا ہوگا کہ مزدوروں کا نمائندہ سرمایہ دار نہیں ہو سکتا اور کسانوں کا نمائندہ دولتانہ یا کھوڑو نہیں ہو سکتا۔

طفیل صاحب نے کہا کہ ہم مختلف محب وطن طبقات سے اصولی اتحاد کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ اگر کوئی سرمایہ دار مزدوروں کے مسائل کے حل کیلئے سنجیدگی کا رویہ اختیار کرتا ہے تو ہم بھی اس سے اصولی اتحاد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ پی آئی اے میں بھی ہم نے اب تک یہی رویہ رکھا ہے جس کے نتیجے میں آج پی آئی اے کے مزدوروں کے حالات دوسرے اداروں کے مقابلے میں بہتر ہیں اور دوسری طرف پی آئی اے کے مزدور بھی سیاسی طور پر زیادہ باشعور ہیں اور یہی وجہ ہے کہ پی آئی اے کے محنت کش اب پورے مغربی پاکستان میں مزدور تحریک کو منظم کرنے میں پیش پیش ہیں

طفیل صاحب نے کہا کہ قومی مزدور محاذ اسی مقصد کیلئے قائم کیا گیا ہے کہ محنت کش عوام کو صحیح خطوط پر منظم کیا جائے۔ انھیں ان کے مسائل اور ان کے حل کے لئے صحیح راستہ اختیار کرنے کے بارے میں باشعور بنایا جائے۔

طفیل صاحب نے کہا کہ جوں جوں مزدور طبقہ باشعور اور منظم ہوتا جا رہا ہے توں توں ملکی جاگیردار، سرمایہ دار۔ امریکی سامراج اور اس کے ایجنٹ خاص طور پر جماعت مودودی بوکھلائے جا رہے ہیں اور اس بوکھلاہٹ میں یہ ساری طاقتیں مل کر مزدوروں پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ ان رجعت پرست عناصر اور سامراجی ایجنٹوں کے حملوں ہی سے ہمیں اپنی مضبوطی اور طاقت کا اندازہ ہوتا ہے جب تک ہمارے اوپر دشمنوں کا حملہ نہیں ہوا تھا اس وقت تک ہم اپنے کام سے مطمئن نہیں تھے اور اب ہم نے اطمینان کا سانس لیا ہے کہ ہمارا تیر بالکل ٹھیک نشانے پر جا کر لگ رہا ہے۔ جیسے جیسے مزدور طبقہ مزید منظم اور مزید باشعور ہوتا جائیگا ویسے ویسے سامراجی ایجنٹوں، رجعت پرستوں کی نمائندہ جماعت مودودی کی شہ رگ کٹتی جائے گی اور وہ اسی قدر زیادہ ہاتھ پیر پٹخے گی۔

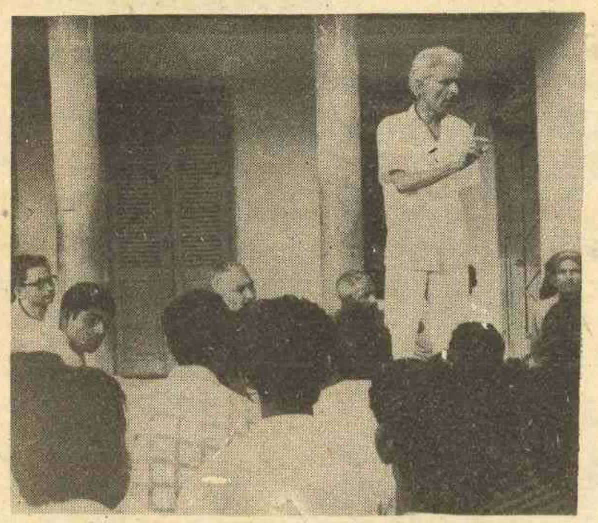

اومنی بس سروس ایمپلائز یونین کے جنرل سکریٹری رشید ارشد مزدوروں سے مخاطب ہیں

اس سے قبل اومنی بس سروس ایمپلائز یونین کے جنرل سکریٹری مسٹر رشید ارشد نے مزدوروں کے مسائل بیان کئے اور مزدور تحریک میں طفیل عباس صاحب کے انقلابی کردار اور ان کی بیشمار قربانیوں پر خراج تحسین پیش کیا اور قومی مزدور محاذ کے ذریعہ ملک کے محنت کشوں کو منظم کرنے کی کوششوں پر مبارکباد دی۔

اومنی بس سروس ایمپلائز یونین کے دفتر کے افتتاح کے موقعہ پر قومی مزدور محاذ کے کنوینر طفیل عباس صاحب محنت کشوں سے مخاطب ہیں

لوگ کہتے ہیں

لاہور
8.9.69

مکرمی تسلیم!

مدت سے ارادہ کر رہا تھا کہ "منشور" کا خریدار بنوں اتفاق سے پرسوں لاہور کے ایک نوزائیدہ جریدے "زندگی" میں ایک مضمون پی آئی اے کے متعلق دیکھا مضمون نگار وہی ہمارے جانے پہچانے الطاف حسن قریشی (اردو ڈائجسٹ والے) ہیں۔ اس مضمون کو پڑھ کر فوراً فیصلہ کیا کہ اب ~~منشور~~ "منشور" کا خریدار نہ بننا گناہ ہے۔ لہٰذا مبلغ ۱۲ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال خدمت ہیں۔ اسی ماہ سے رسالہ جاری کر دیجئے اپنے دوست احباب کو بھی زبانی ~~اور تحریر~~ کہا ہے اور خطوط بھی لکھ رہا ہوں کہ وہ فوراً منشور کے خریدار بنیں کیونکہ حقیقت زبون کی منظر ہیں اب اس میں بیڑی نئی شروع ہو گئی ہیں۔ کیا آپ کوئی لٹریچر بھی شائع کرتے ہیں۔ اگر ہو تو بطور نمونہ بھیجیں۔ نہ جانے یہ کیوں خوش فہمی ہے کہ آپ جواب عنایت کریں گے

فقط

ABDUL QAYYUM AKHTAR
STREET No 25, H.No 28
Moghalpura Lahore.

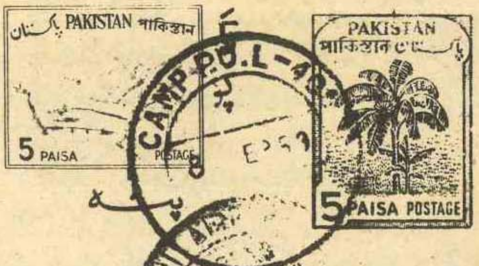

پتہ

مدیر ماہنامہ منشور
ایئرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے
کراچی ایئرپورٹ
KARACHI (Airport.)

ڈھاکہ

مکرمی آداب

حال ہی میں لاہور سے ایک ہفت روزہ 'زندگی' نکلنا شروع ہوا ہے اس کا دوسرا شمارہ جو بطور خاص مفت تقسیم کرایا گیا تھا، مجھ تک بھی پہنچا۔ اس میں پی آئی اے کے مزدوروں کی یونین اور آپ کے ماہنامہ منشور کے بارے میں پہلی بار تفصیلات معلوم ہوئیں۔ مجھے بجد افسوس ہے کہ میں اب تک منشور کے پیغام اور کارناموں سے واقف نہیں تھا۔ اس جریدے میں شائع ہونیوالے مضمون کی معرفت مجھے معلوم ہوا کہ پاکستان سے ایک رسالہ منشور بھی شائع ہوتا ہے جو محنت کشوں، مزدوروں، کسانوں، اور طالب علموں کو متحد کر کے ملک کو جاگیرداروں اجارہ دار سرمایہ داروں اور امریکی سامراج کے چنگل سے آزاد کرانے کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہے۔ پہلی بار ہی مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی یونین برسوں سے پاکستان کے مزدوروں کو ترقی پسند خطوط پر منظم کر رہی ہے اور بقول اس رسالے کے پی آئی اے سے شروع ہونے والی آپ کی تحریک پورے پاکستان میں پھیل چکی ہے یہ اطلاع بھی مجھے اسی رسالے کے ذریعہ ملی کہ آپ کا رسالہ اور آپ کی یونین کے رہنما چین دوستی کی تبلیغ کرتے ہیں اور امریکہ کے خلاف نفرت پھیلاتے ہیں۔ یہ تمام باتیں معلوم ہو کر میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ اس رسالہ 'زندگی' کو ان باتوں پر کیا اعتراض ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس رسالے کے پیچھے ضرور جماعت اسلامی کا ہاتھ ہوگا اور وہ اپنی مخصوص عادت کے مطابق آپ کی یونین کے ہزاروں روپیہ کے فنڈ پر اپنی منحوس نظریں لگائے ہوئے ہوگی۔ کیونکہ اب عوام اسے قربانی کی کھالیں بھی نہیں دیتے۔

جماعت اسلامی کے اس حملہ کی وجہ سے ہی مجھے یقین ہے کہ آپ ضرور ایک عظیم مقصد کے لئے کام کر رہے ہوں گے۔ میری تمام ہمدردیاں اور ہر قسم کی خدمات آپ کے ساتھ ہیں۔ 'منشور' کی تمام کاپیاں بذریعہ وی پی ارسال کر دیجئے اور آئندہ برابر منشور بھیجتے رہئے۔

رئیس احمد

Tele Phahe

The Bank of Bahawalpur Employees Union

Cable
Address

~~CENTRAL OFFICE,~~ [illegible] ~~HOUSE, KUTCHERY ROAD, KARACHI~~ REGD: No. 883
406 Qamar House, Bunder Road Karachi.

Ref: No: ______________

Date ۲ ۶۹ ستمبر /۱۸ 19

محترم طفیل عباس بھائی
سلام مسنون

آپ کی مخلصانہ قیادت میں پی آئی اے یونین اور "منشور" جس عظیم الشان کامیابی سے ہمکنار ہوئے ہیں وہ دوستوں کے لئے باعث فخر اور حاسدوں کے لئے پیام موت ہے۔

یونین کے خلاف رجعت پسندوں اور کٹھ ملاؤں کے گٹھ جوڑ اور سازشیں اب تک زیادہ سے زیادہ کراچی تک محدود تھیں۔ لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مزدوروں کے حقوق کو غصب کرنیکے لئے، ان کا ملک گیر پیمانے پر گٹھ جوڑ ہو چکا ہے۔

ادبی اور صحافتی دنیا کیلئے باعث ننگ ہفت روزہ "زندگی" کی ہرزہ سرائی اور منظم یاوہ گوئی اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ سرمایہ داروں کا یہ چیتھڑا اخبار، اب کھلم کھلا چاند پر خاک ڈالنے کی مذموم کوشش کر رہا ہے۔ چونکہ پی آئی اے یونین اور منشور ان کے حلوے مانڈے کی راہ میں ایک گرانبار پتھر ہے لہذا اب معاملہ نظریات سے ہٹ کر ذاتیات تک آ پہنچا ہے اگر یہ بات مقامی سطح تک محدود رہتی تو ہمیں بھروسہ تھا کہ آپ ان کے بازو آسانی سے شل کر سکتے ہیں لیکن اب جبکہ ملک گیر تحریک چلا کر یہ استعماری قوتیں اور سرمایہ داری کی بیساکھیاں مزدوروں کے حقوق اور ان کے محافظوں پر حملہ آور ہو چکی ہیں۔ ہم بینک آف بہاولپور ایمپلائز یونین کے نمائندے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانب سے اس منظم سازش کو کچلنے اور ان طاغوتی طاقتوں کو فنا فی السقر کرنے کو تیار ہیں۔ ان قوتوں کو صرف طفیل عباس اور منشور کے خلاف ہی جنگ نہیں کرنی ہو گی بلکہ پوری مزدور برادری سے ان مفاد پرستوں کو زندگی کے ہر موڑ پر ٹکر لینی ہو گی۔ منشور اور آپ کی یونین کی کامیابی و خوشحالی کا خواہاں۔

نیازمند
سید عزادار حسین رضوی
جائنٹ سکریٹری
بینک آف بہاولپور ایمپلائز یونین کراچی

---

۷۸۶   ۱۷-۹-۶۹

جناب صدر —— السلام علیکم

پی آئی اے کے طیارے پاکستان کا سبز ہلالی پرچم دنیا کے بیشتر ممالک کی فضاؤں میں لہراتے ہیں لیکن امریکہ اپنے پرچم کو اولیت دینے کا متمنی ہے۔ محض اسی وجہ سے اس نے اپنے خلابازوں سے اپنے پرچم کو چاند کی سرزمین پر نصب کرایا۔ یہ بات غور طلب ہے کہ پی آئی اے کی مثالی ترقی کو دیکھ کر امریکہ اور دوسری ایئر لائنوں کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا ہے۔ کیا جماعت اسلامی کو کثیر رقم پیش کر کے —— پی آئی اے کو بدنام کرنے کی مہم شروع کر دی ہے تاکہ یہ انتشار کا شکار ہو جائے۔ دیکھئے ہفت روزہ "زندگی" جو امریکن میگزین "لائف" سے مستعار لیا گیا ہے۔

فقط خیرخواہ
سعید

مدیر محترم، تسلیم

"زندگی" پڑھا۔ بے اختیار جی چاہا کہ منشور کے اہل قلم کے ہاتھ چوم لوں۔ منشور کی جو کاٹ ہے وہ اس کا ہر دشمن محسوس کرتا ہے۔ آج ہمیں فخر ہے کہ منشور ہمارے پاس ہے۔ امید ہے کہ اس عظیم منشور کو کوستے کوستے خود یہ "زندگی" موت کی نیند سو جائے گا۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں، منشور کے صفحات موقع دیں اور میرے مالی حالات میرا ساتھ دیں تو میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اردو ڈائجسٹ کی تمام فائلوں کا مطالعہ کر کے میں الطاف حسن قریشی کی سرکار نواز پالیسیوں کا ثبوت فراہم کروں گا۔ ان حملوں سے آپ قطعاً ہراساں نہ ہوں۔ موت برحق ہے۔ گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے —— !

انسانیت زندہ باد
لطیف چودھری
پشاور

قومی مزدور محاذ کی قیادت میں ہم مزدوروں کے مطالبات تسلیم کرانے کے لئے اجتماعی جدّوجہد کرتے رہیں گے۔ یونینوں کا عزم

لانڈھی (نمائندہ منشور) مزدوروں کی مہینوں کی تگ و دو اور کاوشوں کے بعد اور ان کے اتحاد اور یکجہتی کا اندازہ لگاتے ہوئے رجسٹرار آف ٹریڈ یونینز حکومت مغربی پاکستان، کراچی نے مزدوروں کی حسب ذیل پانچ یونینوں کو رجسٹریشن سرٹیفکٹ دے دیا ہے۔

۱۔ انڈس رولز فلور ملز ایمپلائز یونین۔ لانڈھی
۲- اوپل لیبارٹریز ورکرز یونین، لانڈھی
۳۔ اسٹار ویکیوم بوتل مینوفیکچرنگ لیبر یونین، لانڈھی
۴۔ بنارس ساری ہاؤس ورکرز یونین، کورنگی

نمائندہ منشور نے سرٹیفکٹ جاری ہونے کے بعد جب متعلقہ مزدوروں سے رابطہ قائم کیا تو ان کو انتہائی جوش و جذبے سے معمور پایا، تمام مزدوروں کے دل میں یہ حوصلہ پایا جاتا تھا کہ وہ اپنی یونینوں کے لئے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں

یونینوں کے عہدیداروں نے نمائندہ منشور کو بتایا کہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اگر مزدوروں میں اتحاد نہ پیدا کیا جائے اور مطالبات اور مقاصد کے لئے جدوجہد نہ کی جائے تو رجسٹریشن سرٹیفکٹ ایک کاغذ کے ٹکڑے کی حیثیت رکھتا ہے

انھوں نے کہا کہ وہ مزدوروں کے اتحاد اور جدوجہد کیلئے زیادہ سے زیادہ کوشش کرتے رہیں گے، اور اجتماعی قوت کے بل پر مزدوروں کے مسائل حل کرائیں گے!

یہ لیجئے،
کچھ ان کی بھی سنئے۔
یہ ہیں الطاف حسن قریشی،
مدیر ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور، اور نگراں ہفت روزہ زندگی لاہور
یہ فرماتے ہیں ـــــ کہ
”پی۔ آئی۔ اے بڑے خطرے میں ہے“
لیکن جھوٹ بولنے میں انتہائی ماہر،
ہٹلر کے وزیر گوئبلز کے نئے جانشین، اور
جماعت اسلامی کے محاذ صحافت کے بظاہر نئے مگر درحقیقت پرانے جغادری سے ہمارا یہ کہنا ہے کہ
حضرت لن ترانی چھوڑیئے۔
کوئی اور دھندا شروع کیجئے،
کیونکہ اس قسم کی سنسنی خیز اور چھچھوری باتوں سے اب آپ کی دال نہیں گلے گی۔
پی۔ آئی۔ اے کے باشعور مزدوروں اور ان کی نمائندہ تنظیم
ایئرویز ایمپلائیز یونین، پی۔ آئی۔ اے برانچ (رجسٹرڈ) ـــــ کی
ہر مزدور دشمن اور غدار وطن کے لئے یہ للکار ہے ـــــ کہ

”پی۔ آئی۔ اے انتہائی حفاظت میں تھی، ہے اور رہے گی“

جماعت اسلامی نے پی۔ آئی۔ اے، ایئرویز ایمپلائیز یونین، پی۔ آئی۔ اے برانچ، ہمارے رہنما طفیل عبّاس صاحب،
نین کے دوسرے مرکزی عہدے داروں، ماہنامہ منشور کراچی، بزم منشور، انجمن مفاد نسواں ـــ اور ـــ
ی مزدور محاذ، کے خلاف جو شرمناک، جھوٹا، بے بنیاد، گمراہ کن اور غیر مذہبی پروپیگنڈہ اپنے کارندے الطاف
ن قریشی کے نام سے ”پی۔ آئی۔ اے کو نذر آتش کرنے کا منصوبہ“ کے اشتعال انگیز عنوان سے زندگی میں شائع
نے والے مضمون میں کیا ہے، اس کا مدلل، مسکت، حقائق سے بھرپور اور دندان شکن جواب ـــــ

ی آئی۔ اے انتہائی حفاظت میں تھی، ہے اور رہے گی“

منشور کے
ضمیمہ
میں ملاحظہ کیجئے

قیمت ـــــ بیس٢ پیسے

ہر اس جگہ دستیاب ہے، جہاں سے منشور ملتا ہے۔

رنٹر حکیم محمد تقی مشہور آفسٹ پریس کراچی ۔ پبلشر سبط اختر ۔ مقام اشاعت ایئرویز ایمپلائیز یونین (رجسٹرڈ) پی۔ آئی۔ اے برانچ کراچی ایئرپورٹ۔

Regd. No. S-2575
OCTOBER 1969
THE MONTHLY MANSHOOR KARACHI

لوگ کہتے ہیں
پی آئی اے کے پائلٹ
بڑے باکمال ہیں
... ٹھیک ہی تو کہتے ہیں ...
ورنہ اتنی مہارت کیساتھ
ہوائی جہاز اتارنا
کوئی آسان کام ہے ؟

پاکستان انٹرنیشنل ایر لائنز